دیکھنا تقریر کی لذت...

مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری

جلد دوم

مرکز دعوت و ارشاد
دار العلوم الاسلامیہ بستی (یوپی) الہند

SAJID AZMI

دیکھنا تقریر کی لذّت....

جلد دوم

مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری
استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم الاسلامیہ بستی
وسابق استاذ تفسیر دارالعلوم دیوبند

ناشر

مرکزِ دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی
یوپی (الہند)

فون ۸۲۸۹۳ ے

اشاعتِ دوم ۱۴۲۳ھ

نام کتاب ——— دیکھنا تقریر کی لذّت جلد دوم
مؤلف ——— مولانا مفتی شکیل احمد سیتاپوری
کتابت ——— امتیاز احمد قاسمی دارالعلوم الاسلامیہ بستی
طباعت ——— شیروانی آرٹ پرنٹرز دہلی ۱۱۰۰۰۶۔ فون: 2943292
ناشر ——— مرکز دعوت وارشاد دارالعلوم الاسلامیہ بستی یو، پی (الہند)
باہتمام ——— مولانا محمد اسعد صاحب قاسمی
قیمت ———

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ بستی یوپی (الہند) ☆ دارالکتاب دیوبند
☆ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند ☆ مکتبہ البلاغ دیوبند
☆ المکتبۃ الندویہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دیکھنا تقریر کی لذّت جلد دوم

ایسی نادر کتاب جو انوکھے، نہایت ضروری اور اہم عنوانات کے
تحت ایک درجن سے زائد تقریروں پر مشتمل ہے

انتساب

عالم ربانی حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ
کے نام جن کے ایماء پر یہ تقریریں جمع کی گئیں۔

اور

دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے نام جس کی علم پرور فضا میں یہ تالیف
پایۂ تکمیل کو پہونچی۔

فہرستِ عناوین

تقریر ۱۳ سیزدہم

حوصلہ مندی و بلند ہمتی

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہٖ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہٗ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ وسلم امّابعد :

فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ۔

عظّام مجلس و حضّار محفل ! اعمال افکار کے تابع ہیں، افعال خواطر کا نتیجہ ہیں انسان پہلے سوچتا ہے پھر کرتا ہے، اولاً کسی چیز کا خیال پیدا ہوتا ہے اس کے بعد حرکت و عمل وجود میں آتے ہیں غالباً آپ نے دانشمندوں کا یہ مقولہ سنا ہوگا "حَقَائِقُ الیَوم اَحلَامُ الاَمسِ" آج جو چیزیں حقیقت بن کر ہمارے سامنے موجود ہیں کل صرف ان کا خواب دیکھا گیا تھا،

کل یہ چیزیں صرف تصور اور خیال کی صورت میں ہمارے ذہنوں میں موجود تھیں کل ان کا منصوبہ اور خاکہ تیار کیا گیا تھا اور آج وہ حقیقت اور مشاہدہ بن کر ہمارے سامنے ہیں، آپ اگر اسی قضیہ کا عکس مستوی بنائیں اور یہ کہیں "احلام الیوم حقائق الأمس" جن چیزوں کا آج خواب دیکھا جائے گا کل وہی چیزیں حقیقت بن کر ہمارے سامنے آئیں گی، تو آپ کا یہ قول سو فیصد منطقی ہوگا، اس میں کوئی چیز منطقیت اور معقولیت کے خلاف نہیں ہوگی۔

فرزندان اسلام! اگر آپ میرے مدعا کو نہیں سمجھے اور آپ کا مرغ فہم میری فضائے مراد تک پرواز نہیں کر سکا تو میں اسکو اور زیادہ کھول کر بیان کر رہا ہوں، اللہ کرے کہ مسئلہ آپکے سامنے "اَلَمْ نَشْرَحْ" ہو جائے، اور اسمیں جھول باقی نہ رہ جائے۔

میرے بھائیو! آپ کوئی کام اسی وقت کریں گے جب پہلے اسکا ارادہ کریں گے، ہر صنعتی وایجادی مشاہدہ تصور کے مرحلہ کو عبور کر کے آیا ہے ہر علمی وسائنسی حقیقت ارادہ کی منزل سے گذر کر آئی ہے۔

غور فرمائیے اور جواب دیجئے! برقی اور کہربائی قوت کو دریافت کرنے والوں کے ذہنوں میں اگر ہل چل نہ پیدا ہوئی ہوتی تو کیا وہ اس کی جستجو میں مصروف ہوتے، ہالینڈ اور جرمنی کے دانشمندوں نے چھاپے کو ایجاد کیا، کیا اتنا بڑا کارنامہ ارادہ کئے بغیر انجام پا گیا؟ یاد رکھئے! نئی دنیا، نئی فکروں سے جنم لیتی ہے، پہلے عظیم کارناموں کا خیال پیدا ہوتا ہے اسکے بعد عظیم کارنامے انجام دئے جاتے ہیں

جہان تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ خشت وسنگ سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

ہم ایک عرصہ دراز سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں، ایک طویل مدت سے ہم اپنی قسمت کو رو رہے ہیں، معاف کیجئے گا تیلی کے بیل کی طرح اسی ایک چکر میں پھر رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ سارا جہاں طے کر چکے ہیں، جب آنکھیں کھلیں تو معلوم ہوا کہ جہاں سے چلے تھے ابھی تک وہیں ہیں

؎ شکست رنگ شباب و ہنوز رعنائی
دراں دیار کہ زادی ہنوز آنجائی

شباب کا رنگ اتر چکا ہے پھر بھی رعنائی کا خیال باقی ہے، جس کنویں میں پیدا ہوئے تھے ابھی تک اسی کنویں کی مینڈک ہیں، خدارا نگاہ اٹھا کر دیکھئے! دائیں بائیں، آگے پیچھے ایک وسیع میدان ہے، قدم بڑھایئے اور اس میدان کی سیر کیجئے۔

مگر آہ جن قدموں کی دوڑ گز دو گز میں محدود رہ چکی ہے، ان سے اس وسیع میدان میں کس طرح کام لیا جائے، بیکار اور تنگیٔ گردش میں ہاتھ، پاؤں چور ہو گئے ہیں، طاقت رفتار جواب دے چکی ہے، نہ طلب صادق ہے نہ قلب راسخ، نہ عزم ہے نہ استقلال ہے نہ صدق ہے نہ اخلاص ہے نہ یہ خبر ہے کہ کہاں جاتے ہیں، نہ یہ معلوم کہ کیوں جاتے ہیں۔

؎ نہیں معلوم منزل کس طرف کس سمت جاتے ہیں
پڑا ہے قافلہ میں شور ہم بھی غل مچاتے ہیں

یہاں سب سے زیادہ جس چیز کی ضرورت ہے، اسی چیز کا یہاں سب سے زیادہ قحط ہے، یہاں جس چیز کی کثرت درکار ہے، وہی چیز یہاں نایاب ہے، عزت و عظمت کیلئے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ضرورت ہے ولولوں کی، امنگوں کی، ہمتوں میں بلندیاں ہوں، حوصلوں میں جوش و خروش ہو

طبیعتوں میں جولانیاں ہوں، عزائم میں رفعتیں ہوں، ارادوں میں استواری ہو، عقیدہ سے وفاداری ہو۔

اے کاش ہمارے حوصلوں میں بالیدگی پیدا ہو۔ زہے نصیب کہ ہماری ہمتوں کے دریا میں موجیں اٹھیں، خدا ہمیں وہ دن دکھائے کہ ہمارے نوجوان عالی ہمتی کا پرجوش استقبال کریں۔ اے عزم جواں وہ دن کتنا اچھا دن ہوگا جس دن تو ہماری محفل میں پورے طمطراق سے آئے گا، اور ہمیں اپنی بازیابی کا یقین دلائے گا، جس دن ہمارے نوجوان تجھے لبیک کہیں گے، جب فرزندانِ ملت کی زبانوں سے تیری یاد میں یہ نالے بلند ہونگے ؎

وادیٔ نجد میں وہ شورِ سلاسل نہ رہا — قیس دیوانۂ نظارۂ محمل نہ رہا
حوصلے وہ نہ رہے ہم نہ رہے دل نہ رہا — گھر یہ اجڑا ہے کہ تو رونق محفل نہ رہا

اے خوش آں روز کہ آئی و بصد ناز آئی
بے حجابانہ سوئے محفلِ ما باز آئی

اولالعزم انسان تازہ دم رہتا ہے، نہ اسے راستے کی تکان ہوتی ہے نہ ساتھیوں کے چھوٹ جانے کی پروا، نہ رکاوٹوں کا اندیشہ، نہ دوریٔ منزل سے ہراس۔

حکیمِ مشرق، شیرِ اسلام سید جمال الدین افغانی نے بڑی کڑھن کیساتھ کہا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ دی تھی، انکا یہ مقولہ ان کی عالی دماغی اور بالغ نظری کا ثبوت ہے وہ بڑے درد کے ساتھ کہا کرتے تھے ؎

"ان المسلمین قد نامت خواطرھم وفترت عزائمھم وبقی فیھم شئیٌ واحدٌ وھو شھواتھم" اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں کے

عزائم سو گئے، انکی اولوالعزمی سرد پڑ گئی، ہاں انہیں صرف ایک چیز رہ گئی ہے اور وہ ہے انکی خواہشات ۔

عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کی تعلیم سے کتاب وسنت اور قرآن وحدیث کا پورا ذخیرہ بھرا پڑا ہے، قرآنِ حکیم اپنے قاری کو ہر سطر میں اسیر اکساتا ہے کہ تمہاری سطح بلند ہونا چاہیے، تمہاری اڑان اونچی ہونی چاہئے، امت کو بحیثیت امت احساس برتری عطا کیا گیا، ملتِ مسلمہ کو عزت کا شعور بخشا گیا کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ "کُنتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ" فرما کر آپکو سب سے بہتر قرار دیا گیا ہے، تم میں سے کون ہے جس کی نظر سے یہ آیت کریمہ نہیں گذری "ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" اللہ تعالیٰ نے تمہارا انتخاب کیا ہے، اور دین کے سلسلے میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، کیا آپ نے یہ نہیں پڑھا ہے "وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ" جس طرح ہم نے تمہارا قبلہ سب سے برتر ٹھہرایا ہے، اسی طرح ہم نے تم کو سب سے برتر قوم بنایا ہے، "اُمَّۃً وَّسَطًا" کی تفسیر کرتے ہوئے امام ابن کثیر لکھتے ہیں " وَالوَسَطُ ھٰھُنَا الخیار وَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلّی اللّٰہ علیہ وَسلّم وَسَطًا فِی قَوْمِہٖ، ای اشرفھم نسبًا ومنہ الصّلوٰۃ الوسطیٰ التی ھی افضل الصّلوات " یعنی وسط کا لفظ بہتر و برتر کے معنیٰ میں ہے جیسے یہ جملہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم میں وسط تھے، یعنی بہتر و برتر تھے یا جیسے" الصّلوٰۃ الوسطیٰ" یعنی سب سے برتر نماز ۔

یَا لَلْعجبُ : جو قوم سب سے برتر ہو، جس قوم کا اس کے پیدا کرنے والے نے انتخاب کیا ہو، وہ قوم بلند نگاہی سے محروم ہو، وہ امت پست خیالی کا

شکار ہو۔ ایسی برگزیدہ جماعت کو ذلت راس آگئی ہو۔ اسکو اپنی عزت کی بازیابی کا خیال تک نہ آتا ہو۔

سید قطب شہیدؒ نے بالکل بجا تحریر فرمایا ہے " وامۃٌ تلک وظیفتھا و ذالک دورھا خلیقۃ بان تحمل التبعۃ وتبذل التضحیۃ، فللقیادۃ تکالیفھا وللقوامۃ تبعاتھا ولا بد ان تفتن قبل ذالک وتبتلی لیتاکد خلوصھا للہ وتجردھا " (فی ظلال القرآن ج ۱ صفحہ ۱۳۲)

یعنی جس امت کے یہ فرائض ہوں، اور جس امت کا یہ کردار ہو، وہ اس لائق ہے کہ ذمہ داری کا بوجھ اٹھائے اور قربانی دے، کیونکہ قیادت کی کچھ ذمہ داریاں ہیں اور سربراہی کیلئے کچھ مشقتیں ہیں، امت کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اسے امتحان ضرور دینا پڑے گا، اسے آزمایا ضرور جائے گا، تاکہ اسکا خلوص وللہیت اور یکسوئی مستحکم ہو۔

عظیم چیزوں سے محبت، عظماء سے عقیدت، عظیم کارنامے انجام دینے کی دھن عظمت کا خمیر ہیں۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق
باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

ہمت اور حوصلہ بلند رکھو، کیونکہ خالق اور مخلوق دونوں کے نزدیک جتنی تمہاری ہمت بڑھے گی اتنا ہی تمہارا اعتبار بڑھے گا۔

افسوس صد افسوس کہ ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد ہی نہیں رہا " عن ابی الدرداء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ یحب معالی الامور واشرافھا ویکرہ سفاسفھا " (طبرانی واسناد ھذا الحدیث حسن) یعنی اللہ بلند امور کو پسند کرتا ہے

اور پست چیزوں کو ناپسند کرتا ہے، "السراج المنیر شرح الجامع الصغیر"
میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے " والانسان یضارع الملك بقوة الفکر
والتمییز ویضارع البهیمة بالشهوة والدناءة. فمن صرف همّته
الی اکتساب معالی الاخلاق احبّه الله فحقیق ان یلتحق بالملائکة
لطهارة اخلاقه ومن صرفها الی السفساف ورذائل الاخلاق
فیصیر ضاریا ککلب او شرها کخنزیر او حقودا کجمل او روّاغا
کثعلب او جامعا لذالك کشیطان" (الجزء الثانی ص۲۶) یعنی
انسان عقل وشعور کی بدولت فرشتوں جیسا ہے، اور شہوت رذالی اور
پستیٔ اخلاق کی وجہ سے جانوروں جیسا ہے، تو جس نے اپنی ہمت اور توجہ
بلند اخلاق کی جانب موڑ دی، وہ اللہ کا محبوب ہے، اور فرشتوں کی صف
میں کھڑا ہونے کے لائق ہے، اور جس نے رذیل اور پست اخلاق کیطرف
رخ کیا تو وہ کتے کی طرح کٹ کھنا، یا خنزیر کی طرح ہوسناک یا اونٹ جیسا
کینہ پرور، یا لومڑی جیسا مکار، یا ان سب کا مجموعہ یعنی شیطان ہے۔
حاضرینِ کرام! شاید آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان
سنا ہوگا " عن ابی سعید الخدری ان اللہ تعالی یقول انا عند ظن
عبدی بی ان خیرا فخیر وان شرّا فشرّ"۔ (الطبرانی فی الاوسط
وابو نعیم فی الحلیة) یعنی اللہ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ کی توقعات کے
مطابق ہوں، وہ مجھ سے خیر کی توقع رکھتا ہے، تو اسکو خیر ملے گی، اور شر
کی توقع رکھتاہے، تو اسکو شر ملے گا۔
دوستو! اللہ تعالی کی فیاضی کی مثال دریائے بیکراں کی طرح ہے
چاہو تو اس سے تالاب کے تالاب بھر لو، اور چاہو تو ایک بالٹی اور لوٹے

پر قناعت کر لو

؎ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

اس خالق کون و مکاں سے، اس فاطر السموات والارض سے آخرت کی چیز مانگو، تو جنت الفردوس مانگو، اور دنیا مانگو تو سلطنت مانگو، سربلندی مانگو، علوم پر حکمرانی مانگو، اقوام عالم پر غلبہ اور تسلط مانگو "وانصرنا علی القوم الکافرین"

آپ غور فرمایئے جس امت کو یہ حکم دیا جائے کہ دنیا پر اپنی دھاک بٹھاؤ اپنا رعب و داب قائم رکھو" واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم" (الانفال آیۃ ۶۰) اس امت کیلئے اس کا حاکم حقیقی یہ پسند کرے گا کہ وہ دب کر رہے؟ وہ ذلت اور گمنامی کی زندگی گزارے؟ -

سلطان الشعراء مرزا اسد اللہ خان غالب نے صحیح کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا روز ازل سے یہ دستور رہا ہے کہ جتنی ہمت کرو گے، اللہ تعالیٰ کیطرف اتنی ہی توفیق نصیب ہوگی، ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ ہمت کرو چھوٹے کام کی اور توفیق نصیب ہو جائے بڑے کام کی غالب کہتے ہیں

؎ توفیق باندازہ ہمت ہے ازل سے
آنکھوں میں ہے وہ قطرہ جو گوہر نہ ہوا تھا

اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے حالی لکھتے ہیں جسقدر ہمت عالی ہوتی ہے اسی کے موافق اس کی تائید غیب سے ہوتی ہے، اور ثبوت یہ ہے کہ قطرۂ اشک جس کو آنکھوں میں جگہ ملی ہے، اگر اسکی ہمت جبکہ وہ دریا میں تھا موتی بننے پر قانع ہو جاتی، تو اسکو یہ درجہ یعنی آنکھوں میں جگہ ملنے کا حاصل

نہ ہوتا، بلکہ وہ کانوں یا گلے ہی تک پہونچ کر رہ جاتا۔

صحابۂ کرام میں زندہ دلی اور اولوالعزمی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب "الأدبُ المفرَدْ" ص۱۹۹ میں ایک حدیث ذکر کی ہے "عن عبدالرحمٰن، قال: لم یکن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متحزقین ولا متماوتین وکانوا یتنا شدون الشعر فی مجالسہم ویذکرون امر جاھلیتھم، فاذا ارید احد منھم علی شی من امر اللہ دارت حمالیق عینیہ کانّہ مجنونٌ" یعنی صحابۂ کرام نہ تو مردہ دل تھے اور نہ انکے جسموں پر مردنی طاری رہتی تھی، وہ اپنی مجلسوں میں اشعار بھی پڑھتے تھے اور دورِ جاہلیت کے واقعات کا تذکرہ بھی کرتے تھے، لیکن اگر احکامِ الٰہی کے خلاف ان کو استعمال کرنیکی کوشش کی جاتی تو انکی آنکھوں کے دیدے گھومنے لگتے تھے متنبی کہتا ہے

اذا غامرت فی شرفٍ مرومٍ
فلا تقنع بما دون النجومِ

جب عزتِ مطلوبہ اور شرفِ مقصود میں مقابلہ کرو تو ستاروں سے کم پر راضی مت ہو، جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے کہا ہے

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے اولوالعزم تھے، اور آپ نے کن حالات میں اولوالعزمی کو برقرار رکھا، اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا، اور نہ کبھی اس کا شکوہ کیا، فاقہ کی

زندگی آپکو مالداری کی زندگی سے زیادہ محبوب تھی آپ پوری رات بھوکے رہتے پھر بھی دن میں روزہ رکھتے، آپ اگر چاہتے تو اپنے رب سے زمین کے تمام خزانے اور اس کے پھل اور فراخی عیش مانگ لیتے، میں آپ کی فاقہ مستی کو دیکھ کر ترس کھاتی اور رو پڑتی، اور آپکے شکم پر اپنا ہاتھ پھیرتی رہتی اور عرض کرتی کہ کاش آپ اتنا سامان لے لیا کریں جو آپ کی روزی روٹی بھر کا ہو، آپ یہ سن کر ارشاد فرماتے "مالی وللدنیا اخوانی من اولی العزم من الرسل صبروا علی ماھو اشد من ھٰذا" مجھے دنیا سے کیا سروکار؟ میرے بھائیوں یعنی اولوالعزم رسولوں نے ان حالات سے زیادہ سخت حالات پر صبر کیا ہے، وہ یہ حالات سہتے ہوئے اپنے رب کے پاس پہونچے ہیں، تو ان کے رب نے ان کا اکرام کیا، اور ان کو اجر جزیل عطا فرمایا، اگر میں نے مرفۃ الحالی کی زندگی گزاری تو مجھے اندیشہ ہے کہ کل روز محشر میرا رتبہ ان سے کم کر دیا جائے، (شفاء عیاض) عربی شاعر کہتا ہے ؎

اذا کانت النفوس کبارًا

تعبت فی مرادھا الاجسام

یعنی جب روح عظیم اور ہمت عالی ہوتی ہے، تو ان کے مقاصد پورے کرنے میں جسم تھک کر چور چور ہو جاتے ہیں۔

حضرات! آپ کے اسلاف کی عالی ہمتی کا یہ عالم تھا کہ عمارہ ابن حمزہ جنکی عالی ہمتی ضرب المثل تھی ایک روز عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، اچانک ایک آدمی آیا اور کہنے لگا "مظلوم! یا امیرالمؤمنین" یعنی اے امیرالمؤمنین میں مظلوم ہوں، خلیفہ نے

دریافت کیا "من ظلمک ؟ تم پر کس نے ظلم کیا ؟ اس نے کہا عمارہ ابن حمزہ نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے، خلیفہ نے عمارہ ابن حمزہ سے کہا یا عمارۃ! قم فاقعد مع خصمک " عمارہ اٹھو اور اپنے فریق مقدمہ کے ساتھ بیٹھو، عمارہ نے کہا، امیر المومنین وہ میرا فریق ہے ہی نہیں، اسلئے کہ اگر وہ زمین واقعتہً اسکی ہے تو میں اپنے دعوے سے دستبردار ہوتا ہوں، اور اگر زمین میری ہے تو میں اسکو ہبہ یعنی بخشش کئے دیتا ہوں، میں اس جگہ کو کیوں کر چھوڑ دوں جہاں بیٹھنے کا امیر المومنین نے مجھے شرف بخشا ہے، اللہ نے مجھے اونچی جگہ پر بٹھایا ہے، اور میں ذرا سی زمین کیلئے نیچی جگہ پر بیٹھ جاؤں ؟

ایک مرتبہ بنو عباس کے پہلے خلیفہ سفّاح اور اسکی ملکہ کے درمیان عمارہ ابن حمزہ کی پاکیزگی نفس، اور عالی ہمتی کا ذکر آ گیا، ملکہ نے خلیفہ سے کہا آپ انکو بلائیے، میں انکو اپنی یہ تسبیح ہدیہ کرونگی جس کی قیمت پچاس ہزار دینار ہے، اگر وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں تو سمجھئے کہ بلند حوصلہ نہیں ہیں، خلیفہ نے قاصد بھیج کر انکو بلوایا، جب عمارہ کے آنے کا ملکہ کو علم ہوا، تو ملکہ نے کچھ دیر تک ان سے باتیں کیں، اس کے بعد انکی جانب اپنی تسبیح پھینک کر کہا کہ یہ نوادرات میں سے ہے اور یہ آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے، عمارہ نے وہ تسبیح اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لی، اس کے بعد جب وہاں سے اٹھے تو تسبیح وہیں چھوڑ گئے، ملکہ نے سمجھا کہ عمارہ شاید بھول گئے، چنانچہ اپنے خادم کے ہاتھ وہ تسبیح عمارہ کے پاس بھیجدی، عمارہ نے دیکھتے ہی خادم سے کہا جاؤ یہ تسبیح میں نے تم کو دیدی، خادم واپس آیا، اور اس نے کہا کہ انھوں نے وہ تسبیح مجھی کو بخشش میں دیدیا، ملکہ نے خادم کو

ایک ہزار دینار دئے، اور اس سے وہ تسبیح واپس لے لی ؎

کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

معتصم باللہ کے دورِ خلافت میں عموریہ کے حکمراں نے ایک سرحدی عورت کو قید کر لیا، اسوقت عموریہ معتصم کے قلمرو میں نہیں تھا، سرحدی خاتون جب قید کی جارہی تھی تو اس نے ایک آہِ سرد بھری اور درد بھرے لہجے میں پکارا وامحمداہ! وامعتصماہُ : ہائے معتصم باللہ! معتصم کو جب یہ خبر پہونچی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہوا، اور ایک لشکرِ جرار لیکر عموریہ پر حملہ آور ہوا، اور اسکو فتح کر کے دم لیا، جب عموریہ کو فتح کر لیا اور اس خاتون کو آزاد کرا لیا تو اس کے سامنے کھڑے ہوکر بولا "لَبَّیْكَ اَیَّتُهَا الْمُنَادِیَةُ" اے مجھے پکارنیوالی میں حاضر ہوں۔

نوجوانانِ ملت یہ ہیں آپ کے بلند حوصلہ اسلاف ؎

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں ہے توجسکا ہے اک ٹوٹا ہوا تارہ

ابومسلم خراسانی جو خلافِ بنوعباس کا بانی ہے، اسکو عالی ہمتی کیوجہ سے نیند نہیں آتی تھی، رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا تھا، اور اپنے مقاصدِ عالیہ تک پہونچنے کی تدبیریں سوچا کرتا تھا، اسکی بے خوابی کے بارے میں جب اس سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا "ذهنٌ صافٍ، وَهَمٌّ بعیدٌ، وَنفسٌ تتوق الی معالی الامور" یعنی دماغِ روشن اور ہمت عالیہ اور مقاصدِ عظیمہ کا شوق مجھے سونے نہیں دیتا ؎

وَلکلّ جسمٍ فی النحولِ بلیّۃ ؛ وبلاءُ جسمی من تفاوتِ ھمّتی

ہر جسم کی لاغری کسی بلا یا مصیبت کی وجہ سے ہے، لیکن میرے جسم کی سب سے بڑی مصیبت میری عالی ہمتی ہے۔ ابو مسلم کا ابتدائی دور انتہائی خستہ حالی کا ہے، اسی دور کا واقعہ ہے کہ وہ کوفہ میں کسی کی دوکان میں ملازم تھا، ایک دن لوگوں کو دیکھا کہ بے تحاشا بھاگ رہے ہیں، پوچھا "ما الذی بھم ؟" یعنی ان لوگوں کو کیا ہوا کہ بے تحاشا بھاگ رہے ہیں، کسی نے جواب دیا کہ شہر میں ہاتھی گھس آیا ہے، ابو مسلم نے برجستہ کہا "ماذا فی دخولِ فیلِ الکوفۃ من العجب ؟" ہاتھی کے گھس آنے میں کونسی حیرت کی بات ہے، "التعجب فیَّ اقلبُ دولۃً واقیم اخریٰ" حیرت کی چیز تو میرا دل اور دماغ ہے جس میں ایک حکومت کو گرانے اور دوسری کو اٹھانے کا منصوبہ بنا رہا ہوں۔

ابو مسلم سے کسی نے پوچھا تھا کہ یہ غلبہ اور یہ دھاک کیونکر نصیب ہوئی تو اس نے کہا "ارتدیت الصبر وآثرت الکتمان وخالفت الاحزان وسامحت المقادیر والاحکامَ" میں نے صبر کی چادر اوڑھی، اور راز کو مخفی رکھا، اور غموں سے دوستی کر لی، اور قضا و قدر سے چشم پوشی کی،

قرآن حکیم نے انبیاء سابقین اور ان کے حوصلہ مند اصحاب کا اہمیت کے ساتھ ذکر کیا، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا حوصلہ بڑھے، ارشاد ہوتا ہے "وکاین من نبی قاتل ربیون کثیر فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہِ وما ضعفوا وما استکانوا، واللہ یحبُّ الصابرین" (آل عمران آیۃ ۱۴۶) اور دیکھو کتنے ہی نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے باخدا لوگوں نے راہ حق میں جنگیں کیں، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان سختیوں کی وجہ سے جو انہیں خدا کی راہ میں

پیش آئی ہوں بے ہمت ہو گئے ہوں، اور نہ ایسا ہوا کہ کمزور پڑ گئے ہوں، یا انکی عزتِ نفس نے یہ بات گوارا کرلی ہو کہ ظالموں کے سامنے عجز وبیچارگی کا اظہار کریں، بے ہمتی، کمزوری، اور حریف کے سامنے اعترافِ عجز وہ باتیں ہیں جن سے باخدا آدمی کا دل کبھی آشنا نہیں ہوسکتا، اور اللہ انھیں لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو مشکلوں اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہتے ہیں۔

حضرات! بقا اور دوام اسی کو حاصل ہوتا ہے جو بڑے کارنامے انجام دیتا ہے، مرنے کے بعد اسی کو یاد کیا جاتا ہے جو دنیا میں کچھ کرکے دکھاتا ہے، ایک دانشمند سے دریافت کیا گیا "ما احمد الأشياء؟ سب سے زیادہ قابلِ تعریف کونسی چیز ہے، اس نے جواب دیا "اَنْ تَبْقیٰ لِلْاِنْسَانِ اُحْدُوثَةٌ حَسَنَةٌ" مرنے کے بعد اس کا ذکرِ خیر۔

وَاجْعَلْ لِیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ" کی تفسیر میں بعض حضرات کی رائے ہے کہ اس سے مراد مرنے کے بعد ثنارِ جمیل ہے۔

ابن دُرَید نے کہا ہے ؎

وانّما المرء حديث بعده
فكن حديثاً حسناً لمن وعى

مرنے کے بعد جو چیز رہ جاتی ہے وہ ذکر ہے، اسلئے کوشش کرو کہ یاد کرنے والوں کیلئے ذکرِ حسن بنو، مسلمانوں کے اسبابِ زوال پر بحث کرتے ہوئے الامیر شکیب ارسلان اپنی کتاب "لماذا تأخر المسلمون ولماذا تقدم غيرهم" میں رقمطراز ہیں، من اعظم اسباب انحطاط المسلمين في العصر الاخير، فقدهم كل ثقةٍ بانفسهم وهو من اشد الأمراض الاجتماعية، واخبث الآفات الرّوحية لا يتسلط هذا الداءُ

علیٰ انسان الاّ اُودیٰ بہ' الخ

یعنی مسلمانوں کے زوال کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ انہیں خوداعتمادی کا فقدان ہے، یہ معاشرہ کی سب سے زیادہ شدید بیماری ہے، اور روحانی امراض میں سب سے خبیث ترین مرض ہے یہ مرض جس انسان اور جس معاشرہ مسلّط ہوجاتا ہے' اسے فنا کے گھاٹ اتار کر چھوڑتا ہے، وہ مریض شفا کی امید کیسے کرسکتا ہے جس کے دل میں یہ بیٹھ گیا ہو کہ اس کا مرض جان لیوا ہے، تمام اطبار کا اس پر اتفاق ہے کہ روحانی طاقت تمام دواؤں کی جڑ ہے' امیرالبیان لکھتے ہیں" وان من اعظم عوامل الشفا، ارادۃ الشفاء" شفار کے عوامل میں سب سے بڑا عامل' اور شفار کے اسباب میں سب سے بڑا سبب ارادۂ شفار ہے، یعنی مریض پہلے خود شفایاب ہونے کا ارادہ کرے۔

دوستو! بات دراز سے دراز تر ہوتی جارہی ہے مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا، آئیے! گوشۂ گمنامی سے نکلیں، اپنے اندر خوداعتمادی پیدا کریں اور نئے ولولوں کے ساتھ عہد وپیمان کریں کہ سے

امیروں کی دولت، غریبوں کی ہمت ؛ ادیبوں کی انشار حکیموں کی حکمت
فصیحوں کے خطبے شجاعوں کی جرأت ؛ سپاہی کے ہتھیار شاہوں کی طاقت
دلوں کی امیدیں امنگوں کی خوشیاں
سبھی اہلِ ایمان پر کردیں قرباں

وَمَا عَلَیْنَا اِلاَّ الْبَلاغ

۱۴
تقریر چہاردہم

نا امیدی کفر ہے

اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِن بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ (الشوریٰ ۲۸) وقال تعالیٰ، قال: وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ (الحجر آیت ۵۶)

برادرانِ اسلام و فرزندانِ ملت اور محترم خواتین! آج ایک نہایت اہم موضوع پر روشنی ڈالنے کا میں نے قصد کیا ہے، آج جس چیز سے میں آپکو روکنا چاہتا ہوں وہ گھن کی طرح ہمیں کھوکھلا کر رہی ہے، اور جس چیز کی طرف میں آپکو راغب کرنا چاہتا ہوں وہ ہمارے لئے آب حیات ہے۔

حضرات! میں نے آپ کیلئے دو سورتوں سے دو آیتوں کا انتخاب کیا ہے، پہلی آیت میں ارشاد ہے: اور اللہ ہی ہے جو لوگوں کے مایوس ہونے کے بعد مینہ برساتا ہے، اور اپنی رحمت پھیلا دیتا ہے اور وہ بڑا

کارساز قابلِ تعریف ہے"۔

دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ: ابراہیمؑ نے کہا نہیں میں اللہ کی رحمت سے نا امید نہیں ہوں، کیونکہ گمراہوں کے سوا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس ہوسکتا ہے"۔

پہلی آیت کریمہ کا پس منظر یہ ہے کہ لوگ قحط سالی کا شکار ہیں، بارش منقطع ہوگئی ہے، زندگی کے بنیادی سبب یعنی پانی کے حصول سے دنیا بے بس نظر آرہی ہے، یاس اور نا امیدی نے سب کو گھیر لیا ہے، ایسے حوصلہ شکن اور روح فرسا حالات میں اللہ بارانِ رحمت نازل فرماتا ہے، اور اپنی رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے، زمین کو حیاتِ تازہ نصیب ہوجاتی ہے، خشک پودے لہلہانے لگتے ہیں، بیجوں سے اکھوے نکلنے لگتے ہیں، سبزے میں رعنائی آجاتی ہے، موسم پرکیف ہوجاتا ہے، زندگی میں حرکت آجاتی ہے ہر ذی حیات میں نشاط دوڑنے لگتا ہے، دل کے کنول کھل جاتے ہیں چہروں کی بشاشت عود کر آتی ہے، اور امید کی رگیں متحرک ہوجاتی ہیں، بقول مولوی اسماعیل صاحب میرٹھیؒ ؎

گھٹا آن کر مینھ جو برسا گئی — تو بے جان مٹی میں جان آگئی
یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا — کہ جنگل کا جنگل ہرا ہوگیا
پھدکنے لگے ہر طرف جانور — نکل آئے گویا کہ مٹی کے پر

اس یاس و نا امیدی اور رحمت و رافت کے درمیان کتنا فاصلہ رہا؟ صرف چند لمحوں کا فاصلہ، مایوسی کو زیادہ طویل نہیں ہونے دیا گیا، چند لحظے گذرے تھے کہ اللہ کی رحمت نے آسرا دیا اس یاس کو آس میں تبدیل کرنے والا، اس نا امیدی کی ظلمت میں امید کا چراغ جلانے والا کون ہے؟

اللہ جو ولی بھی ہے اور حمید بھی، جو کارساز بھی ہے اور قابلِ تعریف بھی۔

دوسری آیتِ کریمہ سورۂ حجر کی ہے، جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اولاد کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تعجب ہوا کہ بڑھاپے میں اولاد کی بشارت؟ فرشتوں نے کہا کہ ہم آپکو صحیح بشارت دے رہے ہیں، آپ مایوس نہ ہوجئے، اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ" اللہ کی رحمت سے گمراہوں کے سوا اور کون مایوس ہوسکتا ہے۔

جو اللہ کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں، وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہیں، جو دل اللہ کی رحمت ورافت کا شعور نہیں رکھتے وہ پرامید نہیں ہوتے لیکن جس دل کے اندر ایمان کی تراوٹ ہے، جو دل رحمٰن سے جڑا ہوا ہے ناامیدی اسکے پاس نہیں پھٹک سکتی، خواہ کتنے ہی شدائد اسکو گھیرلیں، خواہ کتنے ہی مصائب اس کا احاطہ کرلیں، خواہ کتنی ہی فضا تاریک ہوجائے اور خواہ امید کے نقوش کتنے ہی دھندلے ہوجائیں، قلبِ مومن کو اس حقیقت کا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح نتائج کا خالق ہے اسی طرح اسباب کا بھی خالق ہے، وہ اسباب کے تابع نہیں ہے ؎

حفاظت جس سفینے کی انھیں منظور ہوتی ہے!
کنارے تک اسے خود لاکے طوفاں چھوڑ جاتے ہیں

سورۂ یوسف میں ہے "وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ (یوسف ۸۷) اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اسکی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہوتے ہیں، جو اسکے منکر ہیں۔

حاضرینِ کرام! اللہ تعالیٰ کی رحمت کی کرشمہ سازی خود حضرت یوسف علیہ السلام

کے معاملے میں ملاحظہ فرمائیے، اور دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ناموافق حالات سے موافق حالات پیدا کرتی ہے، کنعان کے قبیلہ کا ایک کمسن لڑکا بغیر اپنی خواہش اور مرضی کے مصر پہونچ گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی باگ ڈور اسی کنعانی کے ہاتھوں میں ہے، اور بادشاہ سے لیکر مصر کی ادنیٰ رعایا تک اس کی عظمت و فضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں، گویا وقت کی سب سے بڑی پر شوکت، سب سے بڑی متمدن سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہونچ گیا، ایک غریب الوطن انسان جسکو غلام بنالیا گیا تھا، صورت حال پر تھوڑی دیر کیلئے غور فرمائیے کہ مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی کے جتنے اسباب ہو سکتے تھے، یہاں وہ سب جمع ہوگئے تھے، اوّل تو عبرانی قبیلہ کا ایک فرد پھر کیسا فرد؟ زر خرید غلام، کیسا غلام؟ جسے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا، کیسی سزا؟ قید خانہ میں ڈالے جانے کی سزا جو ذلت و خواری اور تعذیب و عقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی، اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابلِ نفرت عبرانی بھی ہے، غلام بھی ہے، مجرم بھی ہے اور قیدی بھی ہے، لیکن پھر غور کرو! دنیا کی کونسی بات اس سے زیادہ عجیب ہو سکتی ہے، کہ اسی قیدی کیلئے اچانک قید خانے کے دروازے کھولدیے جاتے ہیں، اور کھولنے والا کون ہوتا ہے خود مصر کا بادشاہ، اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اسلئے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانہ سے نکالے، اور مصر کے تختِ فرمانروائی پر بٹھادے، گویا زلیخا کی کوٹھری سے لیکر تخت شاہی تک صرف دو قدم کا فاصلہ تھا، ایک قدم کوٹھری سے اٹھا کر قید خانہ میں رکھا اور دوسرا قدم قید خانہ سے اٹھا کر تخت شاہی پر رکھدیا ہے

تندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

حضرات ! ہر وہ انسان جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقتوں میں اپنی راہ نکالنا چاہتا ہو، اس کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس معاملے میں عظیم الشان سبق ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تجربہ کار دانشمند کی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے صورتِ حال کا پورا جائزہ لے لیا ہو، اور پھر فیصلہ کر لیا ہو کہ جو حالت بھی پیش آئے، اسے صبر و سکون کے ساتھ جھیل لینا چاہیئے، اور اسی کے مطابق کام کئے جانا چاہیئے، قافلہ والوں نے انھیں غلام کی حیثیت میں پیش کیا وہ ایک غلام کی طرح پیش ہو گئے، عزیزِ مصر نے انھیں غلام کی طرح خرید لیا، انھوں نے غلام کی طرح اس کی خدمت شروع کر دی، اور اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئے، جسطرح ایک اطاعت شعار اور وفادار غلام کو پیش آنا چاہیئے، کہیں سے بھی کوئی ایسی بات نہیں ٹپکتی کہ ایسا کرنے میں انھیں کوئی تامل ہوا ہو، گویا یہ ناگہانی مصیبت جو ہزاروں، لاکھوں انسانوں کیلئے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی ان کے لئے کوئی مصیبت ہی نہ تھی، باپ کے آغوشِ محبت سے نکل کر ایک اجنبی ملک میں اچانک ایک اجنبی غلام بن جانا، ان کیلئے ایسی ہی بات ہوئی جیسے اپنی مرضی سے ایک عیش چھوڑ کر دوسرا عیش اختیار کر لینا، نہ پچھلی حالت کا ماتم ہے، نہ موجودہ حالت سے جھجھک، نہ گزشتہ کی یاد میں سوگواری ہوئی نہ آئندہ کے اندیشہ میں بدحالی، اس عازم اور بے پروا ملّاح کی طرح جسے نہ تو کنارہ چھوٹنے کا غم ستاتا ہے، نہ آنیوالے طوفان کا اندیشہ، اس نے اپنی کشتی چلانی شروع کر دی، اور دیکھو بالآخر ساحلِ مقصود تک پہونچ کر رہی،

حوادث و انقلاب کے ترکش میں کونسا تیر تھا جو اس پہ چلایا نہ گیا ہو لیکن اس کے صبر و عزم نے اسے پرِ کاہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور اس طرح بے داغ نکل گیا گویا گردشِ حوادث کا ہاتھ اسکے خلاف اٹھا ہی نہ تھا۔

برادرانِ اسلام ! اللہ تعالیٰ نے اسی سورت میں اس کنجی کی بھی نشاہدہی کر دی ہے جس سے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں، آپ کہیں گے کیا ہے وہ کلیدِ رحمت ؟ وہ کلیدِ رحمت یہ ہے "إِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ" اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی برائیوں سے بچتا ہے اور مصیبتوں میں ثابت قدم رہتا ہے تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا"

میرے بھائیو ! تم جب چاہو اپنے حسنِ عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر سکتے ہو، لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں، اور اسی لئے قانونِ عمل کے کرشمے تم پہ کھلتے بھی نہیں، دنیا میں حضرت یوسفؑ کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ گذری، لیکن حضرت یوسفؑ کے حسنِ عمل کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ کیلئے نہ تھی، بلا شبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے، آج بھی جس کا جی چاہے شانِ یوسفی پیدا کر کے دیکھ لے، دنیا کا تختِ عظمت و اجلال اس کا استقبال کرتا ہے یا نہیں ؟

نیست در ہیچ سرے خواہش سودا ورنہ
ایں زماں ہم بجہاں یوسف و بازارے ہست

انسانوں کا دل و دماغ دولتِ عشق سے خالی ہے، ورنہ یوسفؑ اور بازارِ حسن اب بھی موجود ہے، اے نا امیدی کے اندھیروں میں بھٹکنے والو!

اور اے اپنی قسمت کو رونے والو! دانشمندوں کا یہ قول لوحِ قلب پر نقش کرلو کہ "یاس و حزن و خوف ام الخبائث است و قاطعِ حیات" نا امیدی، رنج و غم اور خوف تمام گناہوں کی جڑ ہیں اور رشتۂ حیات کو منقطع کر دینے والے ہیں

؎ مرگ را سامان ز قطعِ آرزوست
زندگانی محکم از لا تقنطواست

ناامیدی موت کا پیغام ہے، زندگی لَا تَقْنَطُوْا سے مستحکم ہوتی ہے، زندگی نام ہے ہر دم نئی تمنائیں دل میں پیدا کرنے اور انکے حصول کیلئے جدوجہد کرنیکا

؎ زندگی در جستجو پوشیدہ است
اصلِ او در آرزو پوشیدہ است

زندگی جستجو میں ہے، زندگی آرزو کا دوسرا نام ہے۔

؎ ناامیدی ہمچو گور افشاردت
گرچہ الوندی ز پا می آردت

جس طرح قبر کی مٹی جھڑتی رہتی ہے اور آخر کار اس کا نشان مٹ جاتا ہے اسی طرح ناامیدی قویٰ کو گھلا کر زندگی کو بے نشان کر دیتی ہے، اگر تم پہاڑ ہو اور تم کو ناامیدی کا مرض لگ جائے تو تمکو زمین کے برابر کر کے رکھدے ؎

ہر کہ رمزِ مصطفٰے فہمیدہ است
شرک را در خوف مضمر دیدہ است

یہ شعر آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے، شاعر کہتا ہے، جو شخص تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روح سے آشنا ہے، وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ جو شخص غیر اللہ سے ڈرتا ہے وہ دراصل مشرک ہے، اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں ؎

دل میں تو ضعفِ عقیدت کو کبھی راہ نہ دے
کوئی کچھ دے نہیں سکتا اگر اللہ نہ دے

"إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِن رَّوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ" کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "إِنَّ الْمُؤْمِنَ مِنَ اللهِ عَلَىٰ خَيْرٍ يَرْجُوهُ فِي الْبَلَاءِ وَيَحْمَدُهُ فِي الرَّخَاءِ" یعنی مردِ مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر حال میں خیر پر رہتا ہے، اگر بلاء میں گرفتار ہوتا ہے تو امیدوار رہتا ہے اور اگر آسائش میں ہوتا ہے تو شکر گذار ہوتا ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں "وَاعْلَمْ اَنَّ الْيَاسَ مِنْ رَحْمَةِ اللهِ تَعَالَىٰ لَا يَحْصُلُ إِلَّا إِذَا اعْتَقَدَ الْإِنْسَانُ أَنَّ اللهَ غَيْرُ قَادِرٍ عَلَى الْكَمَالِ أَوْ غَيْرُ عَالِمٍ بِجَمِيعِ الْمَعْلُومَاتِ أَوْ لَيْسَ بِكَرِيمٍ بَلْ هُوَ بَخِيلٌ وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ يُوجِبُ الْكُفْرَ فَإِذَا كَانَ الْيَأْسُ لَا يَحْصُلُ إِلَّا عِنْدَ حُصُولِ أَحَدِ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ، وَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهَا كُفْرٌ ثَبَتَ اَنَّ الْيَأْسَ لَا يَحْصُلُ إِلَّا لِمَنْ كَانَ كَافِرًا" یعنی یہ بات سمجھنے کی ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوسی اسی وقت ہوتی ہے جب انسان کے دل میں یہ بیٹھ جاتا ہے کہ اللہ قادر نہیں ہے یا اس کو ہمارا علم نہیں ہے، یا وہ سخی نہیں بلکہ بخیل ہے، اور یہ تینوں باتیں موجبِ کفر ہیں اور چونکہ مایوسی ان تینوں امور کے بغیر پیدا نہیں ہوتی اور یہ تینوں امور کفر ہیں اسلئے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مایوس رہنے والا کافر ہے۔

حضارِ محفل! قدرتِ الٰہی تخمِ امید کی جسطرح پرورش کرتی ہے ویسے کسی تخم کی پرورش نہیں کرتی، گلشنِ امید ہر موسم میں اپنی بہار دکھاتا ہے امید ایک رفیق ہمدم ہے جو ہر حال اور ہر زمانہ میں ہمارے دم کے ساتھ

رہتا ہے، یہ رفیق دم بدم دلوں کو بڑھاتا اور سینے کو پھیلاتا ہے، خیالات کو وسعت دیتا ہے، نئی نئی کامیابیوں کی ترغیبیں دیتا ہے، یہ جادو نگار مصوّر ہے جو ایک نہ ایک ایسی تصویر ہمارے سامنے کھینچ دیتا ہے کہ اس کے حصول کیلئے ہم جان و دل قربان کر دیتے ہیں، اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ امید کا ہونا ہر حال میں ضروری ہے، مفلسی، بیماری، قید، مسافرت اور بہت سے دنیا کے دکھ درد ہیں کہ امید نہ ہو تو ہرگز نہ جھیلے جائیں، مثل ہے کہ "آسا جئے نراسا مرے" اگر امید کا سہارا ہمارا دل نہ بڑھاتا رہے، تو ایک دم گذارنا مشکل ہو جائے اور زندگی وبال معلوم ہونے لگے

ایک دم بھی ہم کو جینا ہجر میں تھا ناگوار
پر امیدِ وصل پر برسوں گوارا ہو گیا

حضرات! آپ نے کبھی اس پر غور کیا؟ کہ عزت و شرف کی طلب اور رفعت و بلندی کا حصول انسان کی فطرت ہے، وہ پیدائشی طور پر ان چیزوں کی طرف مائل ہوتا ہے، پھر وہ سپر انداز کیوں ہو جاتا ہے؟ وہ اپنی فطرت کے تقاضہ سے دستبردار کیوں ہو جاتا ہے؟ وہ کونسا سبب ہے جس کی بنا پر وہ ناامیدی کا شکار ہو جاتا ہے۔

سنئے! حکماء اور دانشور غور کرنیکے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ قنوطیت اور ناامیدی کا اصل سبب اللہ کا انکار ہے، انسان اپنی آرزوؤں کی تکمیل کیلئے جب سعی و عمل کرتا ہے، تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ ہے بس اس کا ارادہ ہے، جو کچھ ہے بس اس کا عمل ہے، اسکے ارادہ اور عمل ہی کو مستقل حیثیت حاصل ہے، اسکے ارادہ کے اوپر کوئی ارادہ کارفرما نہیں ہے، اس کے عمل سے ماوراء کوئی عمل نہیں ہے۔

اس ذہنیت کے ساتھ جب آدمی عمل کے میدان میں قدم رکھتا ہے، اور موانع پیش آتے ہیں اور رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں اور مقصد تک پہونچنے کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں تو وہ اپنی قدرت اور اپنے وسائل کو ان کے مقابلہ میں کمزور پاتا ہے، بس یہیں سے نا امیدی شروع ہو جاتی ہے، لیکن اگر اس کو یہ یقین ہو کہ اس کائنات کا ایک مدبّر ہے وہ عظیم القدرۃ ہے اسکی عظمت کے سامنے ہر قوّت ہیچ ہے، ہر سطوت اسکی جبروت کے تابع ہے، تمام خزانوں کی کنجیاں اُس کے ہاتھ میں ہیں، وہ تمام کائنات پر جسطرح چاہے تصرّف کرے، میری قدرت اور میرے وسائل اگرچہ محدود ہیں، لیکن اُس قادرِ مطلق کی مدد اگر میرے شامل حال ہو جائے تو بڑے بڑے جبابرہ میرے سامنے جھک جائیں، زبردستوں کے ہاتھ زبردستوں کے گریبانوں تک پہونچ جائیں، وہ چاہے تو ہم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردیں، سمندروں کو چیر دیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں نا امیدی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

عزیزانِ ملت! یاد رکھو کہ امید مشعل راہ ہے، امید سفینۂ نجات ہے امید قاہر جبّار ہے، جب عزائم سست ہونے لگتے ہیں، جب ارادے کمزور پڑجاتے ہیں تو یہی قاہر جبّار ان کو ایڑ لگاتا ہے، مایوس ہونیکی ضرورت نہیں ہے، جب تاریکی شدید ہو جاتی ہے تو صبح کی سفیدی نمودار ہوتی ہے، جب فضا میں حبس بڑھ جاتا ہے تو بارانِ رحمت نازل ہوتی ہے ؎

دیکھ کر رنگِ چمن ہو نہ پریشاں مالی ،، کوکبِ غنچہ سے شاخیں ہیں چمکنے والی
خس و خاشاک سے ہوتا ہے گلستاں خالی ؛ گل برانداز ہے خونِ شہدا کی لالی
رنگ گردوں کا ذرا دیکھ تو عنابی ہے ،، یہ نکلتے ہوئے سورج کی افق تابی ہے

لیکن کونسی امید؟ وہ امید نہیں جس کو ڈھکوسلا اور خیالی پلاؤ کہتے ہیں،
انّما الاٰمَلُ رَجاءٌ یَتْبَعُهُ عَمَلٌ وَیَصْحَبُهُ حَمْلُ النَّفْسِ عَلَی المکارہ ورُسُوخٌ
فِی المَدَارِکِ، اَنّ الحَیاۃ لَغْوٌ اِذَا لَمْ تفُزْ بنَیْلِ الأَرَبِ (العروۃ الوثقیٰ)

امید و آرزو وہ معتبر ہے جس کے ساتھ عمل جڑا ہوا ہو، ایسی امید جو نفس کو ناگوار چیزوں پر آمادہ کر سکے، امید سے مراد یہ ہے کہ دل و دماغ میں یہ راسخ ہو جائے کہ جب تک مقصد حاصل نہ ہو زندگی بیکار ہے۔

ے جس پھول پہ فدا ہوں جس گل نے دل لیا ہے
یا وہ بغل میں آئے یا جاں قفس سے چھوٹے

حضرات! جب اللہ کی رحمت شامل حال ہوتی ہے تو ایسے حیرت انگیز نتائج سامنے آتے ہیں کہ تاریخ انکی توجیہ سے قاصر ہے، باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اپنی ہی تاریخ میں غور کیجئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب خلیفہ کی مسند پر بیٹھے تھے تو کوئی سوچ سکتا تھا کہ اس رقیق القلب اور نرم خو انسان کے اندر اتنی فولادی طاقت آجائیگی کہ ایک دن میں گیارہ فوجیں گیارہ مورچوں پر روانہ کر دے گا، صلاح الدین ایوبیؒ کو کون کہہ سکتا تھا کہ سالہا سال تک پورے یورپ کے مقابلہ میں وہ کوہ گراں کی طرح ڈٹے رہیں گے، اور ایک ایک کو کیفر کردار تک پہونچا کر دم لیں گے، شاید آپکو معلوم نہ ہو کہ بعض اوقات ایسے بھی آئے ہیں کہ دو درجن سے زیادہ بادشاہانِ یورپ نے ایک وقت میں اکٹھے ہو کر اللہ کے اس شیر پر حملہ کیا اور سب کو پسپا ہونا پڑا۔

میرے دوستو! ایک چیز اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ اللہ کی رحمت کو حاصل کرنے کی کچھ شرطیں بھی ہیں، اس کے کچھ آداب بھی ہیں جن پہ

اس آیت میں روشنی ڈالی گئی ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا وَجَاھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ، وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (البقرہ آیت ۲۱۸)
"بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے، اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا ایسے ہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بڑا بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے" اب میں سلسلۂ کلام کو ختم کرتا ہوں، اور خواجہ حالی کی زبان سے آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ؎

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے ٭ جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے ٭ کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے
اڑے وقت تم دائیں، بائیں نہ جھانکو!
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تقریر پانزدہم ۱۵

الصّلوٰۃ معراج المؤمنین

امّابعد : فَاعُوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
إِنَّنِیْٓ اَنَا اللهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِیْ (طٰه ۱۴)
"بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا میری عبادت کرو اور میری عبادت کیلئے نماز برپا کرو"۔

حاضرینِ کرام وسامعین ذی احتشام! اجازت دیجئے کہ میں اسلام کے سب سے اہم رکن پر روشنی ڈالوں، وہ رکن اتنا اہم ہے کہ قرآن حکیم میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کا ذکر اور اسکی تاکید کی گئی ہے، دنیا میں کوئی ایسا پیغمبر نہیں آیا جسکو نماز کا حکم نہ دیا گیا ہو اور اس نے اپنی امّت کو اسکی تاکید نہ کی ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکّہ کی ویران سرزمین میں آباد کرتے ہیں تو اسکی غرض یہ بتاتے ہیں کہ "رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" (ابراهیم ۶)

اے ہمارے پروردگار تاکہ وہ نماز کھڑی کریں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت قرآن پاک کی شہادت ہے " وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ " (مریم ۴) اور وہ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیتے تھے حضرت شعیبؑ کو ان کے ہم قوم طعنہ دیتے ہیں " أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا " (ھود ۸۱) کیا تمہاری نماز تم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جسکو پوجتے آئے ہیں اسکو چھوڑ دیں، حضرت لوطؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور انکی نسل کے پیغمبروں کے متعلق قرآن کا بیان ہے " وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ (انبیاء ۵) اور ہم نے انکو نیک کاموں کے کرنے اور نماز کھڑی کرنیکی وحی کی، حضرت لقمانؑ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں " يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلٰوةَ " (لقمان ۱۷) بیٹا نماز قائم کرو، حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا " وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِي " اور میری یاد کیلئے نماز برپا کرو، حضرت زکریاؑ کی نسبت ہے " وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ (آل عمران) وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں " وَأَوْصَانِي بِالصَّلٰوةِ " (مریم) اور خدا نے مجھکو نماز کا حکم دیا ہے۔

حضرات! اسلام کا یہ پہلا رکن ہے جو امیر و غریب، بوڑھے، جوان عورت، مرد، بیمار و تندرست سب پر یکساں فرض ہے، یہی وہ عبادت ہے جو کسی شخص سے کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی، اگر اس فرض کو کھڑے ہو کر نہیں ادا کر سکتے تو بیٹھ کر ادا کرو، اگر اس کی بھی قدرت نہیں ہے تو لیٹ کر ادا کر سکتے ہو، اگر منہ سے نہیں بول سکتے تو اشاروں سے ادا کرو، اگر رک کر نہیں پڑھ سکتے تو چلتے ہوئے پڑھو، اگر سواری پر ہو تو جس طرف وہ چلے اسی رخ پر پڑھو۔

یہ اسلام کا وہ فریضہ ہے جس سے کوئی مسلمان جب تک اسمیں کچھ بھی ہوش و حواس باقی ہے سبکدوش نہیں ہو سکتا، اس کے ادا کرنے میں کاہلی نفاق کی علامت ہے، "وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوۃِ قَامُوْا كُسَالٰى (نساء) منافق جب نماز کو اٹھتے ہیں تو سست اور کاہل ہو کر اٹھتے ہیں، اس کا ترک کفر کی نشانی ہے، کفار کے بارے میں ہے "لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (مدثر) ہم نمازیوں میں سے نہ تھے، یہ وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا، اس فرض کی تکمیل شبستانِ قدس یعنی معراج میں ہوئی، مسلمان کی شناخت یہ ہے "اَلَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ (معارج) وہ اپنی نماز ہمیشہ ادا کرتے ہیں" وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (المومنون) اور کامیاب ہیں وہ جو اپنی نمازوں کی نگہداشت کرتے ہیں۔

عزیزانِ گرامی! نماز کیا ہے؟ رحمٰن و رحیم کی یاد، اسکے بے انتہا احسانات کا شکریہ، حسنِ ازل کی حمد و ثنا، اللہ کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار، یہ اپنے محبوب سے مہجور روح کا خطاب ہے، یہ اپنے آقا کے حضور میں جسم و جان کی بندگی ہے، یہ ہمارے اندرونی احساسات کا عرضِ نیاز ہے، یہ ہمارے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے، یہ بیقرار روح کی تسکین ہے، یہ مضطرب قلب کی تشفی اور مایوس دل کی دوا ہے، یہ فطرت کی آواز ہے ؎

وہ یوں دل سے گذرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

قرآن نے انسان کی فطری حالت کا نقشہ کھینچا ہے اور پوچھا ہے کہ جب تم پر مصیبتیں آتی ہیں، جب سمندر میں طوفان اٹھتا ہے، جب تمہارا جہاز

بھنور میں پھنستا ہے تو خدا کے سوا کون ہوتا ہے جسکو تم پکارتے ہو؟

اے دھڑکنے والا دل رکھنے والے انسانو! اے فطرت انسانی کا مطالعہ کرنے والو! کیا یہ حقیقت نہیں کہ انسان کی پیشانی کو مسجود کی تلاش رہتی ہے! کیا یہ صداقت نہیں ہے کہ دل کی گہرائیوں میں کوئی ساز ہے جو نامعلوم انگلیوں کے چھونے سے بجتا رہتا ہے ؎

مضطرب باغ کے ہر غنچہ میں ہے بوئے نیاز ٭ تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز
نغمے بیتاب ہیں تاروں سے نکلنے کیلئے ٭ طور مضطر ہے اسی آگ میں جلنے کیلئے

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رقمطراز ہیں "وَاَصْلُ الصَّلٰوۃِ ثَلَاثَۃُ اَشْیَاءٍ اَنْ یَّخْضَعَ الْقَلْبُ عِنْدَ مُلَاحَظَۃِ جَلَالِ اللّٰہِ وَعَظْمَتِہٖ. وَیُعَبِّرَ اللِّسَانُ عَنْ تِلْکَ الْعَظْمَۃِ وَذَالِکَ الْخُضُوْعِ اَفْصَحَ عِبَارَۃٍ، وَاَنْ یُّؤَدِّبَ الْجَوَارِحُ حَسْبَ ذَالِکَ الْخُضُوْعِ" قَالَ الْقَائِلُ

شعر: اَفَادَتْکُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّیْ ثَلَاثَۃً
یَدِیْ وَلِسَانِیْ وَالضَّمِیْرَ الْمُحَجَّبَا" (حجۃ اللہ البالغۃ۲)

نماز کی تین بنیادیں ہیں، ایک یہ کہ دل اللہ تعالیٰ کی عظمت کے تصوّر سے سہما ہوا رہے، دوسرے یہ کہ زبان اللہ کی عظمت اور دل کی فروتنی کا کھل کر اظہار کرے، تیسرے یہ کہ تمام اعضاء دل کی اس عاجزی کے مطابق مؤدب رہیں، شاعر کہتا ہے اَفَادَتْکُمُ النَّعْمَاءُ الخ اے میرے محسن اور اے میرے مربّی! تم نے مجھ پر احسان کرکے میری تینوں چیزوں کو خرید لیا ہے، میرے ہاتھوں کو اور میری زبان کو، اور میرے سینہ میں چھپے ہوئے دل کو۔

شاہ صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں "فَھِیَ الْمَعْجُوْنُ الْمُرَکَّبُ مِنَ الْفِکْرِ

المَصْرُوفُ بِلُقَاءِ عَظَمَةِ اللهِ وَمِنْ افْعَالٍ تَعْظِيمِيَّةٍ كَالسُّجُودِ وَالرُّكُوعِ وَمِنَ الأَدْعِيَةِ المُبَيِّنَةِ إخْلَاصَ عَمَلِهِ للهِ (حجة الله البالغة) نماز ایک معجون ہے جسکی ترکیب فکر اور افعال اور ادعیہ سے ہوئی ہے فکر اللہ کی عظمت کے استحضار میں مصروف رہتی ہے، اور افعال رکوع اور سجدہ کی صورت میں تعظیم کا اظہار کرتے ہیں اور دعائیں یہ بیان کرتی ہیں کہ یہ عمل خالص اللہ کے لئے ہے۔

حضرات! نماز چند پاکیزہ جذبات کا اظہار ہے، یہ اظہار جذبات کا فطری طریقہ ہے، یہ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان کے اندر کوئی خاص جذبہ پیدا ہوتا ہے، تو اس کے حسب حال اس سے کوئی فعل یا حرکت صادر ہوتی ہے، غصہ کی حالت میں چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، خوف میں زرد پڑ جاتا ہے، خوشی میں کھل اٹھتا ہے، غم میں سکڑ جاتا ہے، جب کسی سے سوال کرتا ہے تو اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے، کسی کی تعظیم کرتا ہے تو اسکو دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے، کسی سے عاجزی کرتا ہے تو اس کے آگے جھک جاتا ہے، اس سے بھی زیادہ اپنا تذلل، فروتنی اور خوشامد مقصود ہو تو منھ کے بل گرتا ہے اور پاؤں پر سر رکھ دیتا ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ یہ جذبات کے اظہار کے فطری طریقے ہیں

دوستو! اللہ تعالیٰ کو ظاہری اعمال کی ضرورت نہیں ہے، یہ بندوں کی اپنی ضرورت ہے کہ وہ ظاہری و باطنی دونوں حیثیتوں سے عرض و التجا اور تذلل و عاجزی کی سراپا تصویر بن جائیں، جسم اور روح دونوں اللہ کی مخلوق ہیں، اس کے احسانات سے دونوں یکساں گراں بار ہیں اسلئے ضرورت ہے کہ اس ارحم الراحمین کے سامنے دونوں جھک کر

سجدۂ نیاز ادا کریں ؂

میری نگاہ نے جھک جھک کے کر دئیے سجدے
جہاں جہاں سے تقاضائے حسنِ یار ہوا

نماز تجلیاتِ ربانی کی استعداد پیدا کرتی ہے، نماز کی بدولت اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، حدیث شریف میں ہے "اِنَّکُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّکُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَا تُغْلَبُوْا عَلٰی صَلاۃٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا تم اپنے رب کا دیدار کروگے، لہٰذا اگر تم سے ہو سکے تو سورج نکلنے سے پہلے والی نماز اور سورج ڈوبنے سے پہلے والی نماز کا خاص خیال رکھو!

نماز اللہ تعالیٰ کی محبت اور اسکی رحمت کا سب سے بڑا سبب ہے، فرمانِ رسالت ہے "اَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ" کثرت سے سجدہ کرکے اپنے لئے میری مدد کرو۔

نماز کفارۂ سیات کا باعث ہے "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ" نیکیاں، بدیوں کو مٹا دیتی ہیں، نماز مسلمان کا شعار اور اسلام کی شناخت ہے، نماز مومن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے، حدیث میں ہے "اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ" ہمارے اور کافروں کے درمیان حدِ فاصل نماز ہے جس نے نماز ترک کی اسنے کفر کیا۔

برادرانِ ملت! آپ نے کبھی غور کیا کہ شریعت میں سب سے زیادہ اہتمام کس چیز کا کیا گیا ہے، سب سے زیادہ تفصیلات کس چیز کی بیان کی گئیں ہیں، سنئے! جس عبادت کی طرف سب سے زیادہ توجہ کی گئی ہے، وہ نماز ہے اَللّٰہُ اَکْبَرْ! کس قدر اہمیت ہے اس عبادت کی، اس کے فضائل الگ بیان کئے گئے اس کے اوقات کی الگ تعیین کی گئی، اسکے

شرائط کو کھولا گیا، اس کے ارکان کو نکھارا گیا، اس کے آداب کو ابھارا گیا، اسکے نوافل و فرائض کی خوب خوب تشریح کی گئی، کیا شریعت کا یہ اہتمام اور یہ اعتنا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ نماز سب سے زیادہ عظیم الشان ہے اس کا برہان سب سے زیادہ واضح ہے، اس کا نفع سب سے زیادہ عام ہے حکماء اسلام نے لکھا ہے کہ شعائر اسلام میں سب سے بڑے شعائر چار ہیں قرآن کریم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خانہ کعبہ اور نماز۔

بھائیو! یہ ہے وہ نماز جس کیلئے آپ کے قدم نہیں اٹھتے اور جسے اپنے بستروں پر پڑے پڑے شوق سے ضائع کرتے ہیں، اور جس کو اپنی بیہودہ مجلسوں اور نازیبا رنگ رلیوں میں دھڑلے سے بلا ناغہ ترک کرتے ہیں ؎

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

افسوس صد افسوس کہ ہماری گاڑھی کمائی کھانے والی اولاد اور ہمارے خون اور پسینے سے پلنے والے لڑکے اور لڑکیاں نماز سے بیگانہ ہیں، لیکن ہمیں اس کا کوئی قلق نہیں، ہماری جائداد کے وارث بننے والے ہمارے سامنے ہمارے دین کو پامال کر رہے ہیں اور ہمارے کان پر جوں نہیں چلتی، ہم ٹھنڈے دل سے اسے گوارا کرتے ہیں، ہمیں اس پر غصہ نہیں آتا، آہ صد بار آہ! ؎

بے عمل تھے ہی جواں دین سے بدظن بھی ہوئے ؛ بت ہندی کی محبت میں برہمن بھی ہوئے
انکو تہذیب نے ہر بند سے آزاد کیا ؛ لا کے کعبے سے صنم خانے میں آباد کیا

کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی "یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ

وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا وَّقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ" اے اہل ایمان اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے کیا آپ نے یہ حدیث نہیں سنی "مُرُوا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِیْنَ، وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِی الْمَضَاجِعِ" بچے جب سات سال کے ہو جائیں تو ان سے نماز پڑھنے کیلئے کہو، اور جب دس سال کے ہو جائیں تو نماز نہ پڑھنے پر انکو مارو اور ان کو الگ الگ لٹاؤ۔

حیرت ہے آپکی قوتِ باصرہ پر اور تعجب ہے آپکی قوتِ سامعہ پر اگر یہ آیتیں اور حدیثیں آپ کی نظروں اور آپ کے کانوں سے نہیں گذریں تو معلوم نہیں کہ آپ کیا دیکھتے ہیں اور کیا سنتے ہیں ؎

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

نماز میں کیا کرامات ہے، اسکو حدیثِ رسول سے سمجھئے، حدیث شریف میں ہے "اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ"، آدمی اگر گناہ کبیرہ سے بچا رہے تو ایک نماز سے دوسری نماز تک اور جمعہ تا جمعہ اور رمضان تا رمضان درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔

مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردیوں میں جبکہ پت جھڑ ہو رہی تھی باہر نکلے، آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو جھکایا تو ان سے پتے جھڑنے لگے آپ نے مجھے پکارا، "یا اباذر!" میں نے عرض کیا "لبیک یا رسول اللہ" حاضر ہوں

اے اللہ کے رسول! فرمایا: "اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ فَتَھَافَتُ عَنْہُ ذُنُوْبُہٗ کَمَا تَھَافَتُ ھٰذَا الْوَرَقُ عَنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ" بلاشبہ جب بندہ محض اللہ کی رضا کیلئے نماز پڑھتا ہے تو جس طرح پت جھڑ میں یہ پتے جھڑ رہے ہیں، اسی طرح نمازی کے جسم سے گناہ جھڑتے ہیں۔

بزرگو اور بھائیو! میں بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ دیدہ و دانستہ اور بلا عذر نماز چھوڑنے پر جو حدیثیں آئی ہیں اور ائمہ اور علماء نے ان سے جو کچھ سمجھا ہے، جب میں اس کا تصور کرتا ہوں تو تھرا اٹھتا ہوں، مسلمانوں پر اور خاص کر نوجوانوں پر تعجب ہے کہ کس قدر غافل ہیں، آپ یا تو ان حدیثوں کو جانتے ہی نہیں، یا جانتے ہیں لیکن اہمیت نہیں دیتے، آپ کی یہ جہالت اور غفلت اس لائق ہے کہ اس پر خون کے آنسو بہائے جائیں۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ (رواہ الجماعۃ إلّا البخاری والنسائی) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کے درمیان اور اس کے کفر کے درمیان نماز کا پردہ حائل ہے، یعنی اگر نماز چھوڑ دے تو وہ پردہ ہٹ جاتا ہے، قرآن کریم میں ہے "فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ" (التوبۃ ۵) اگر لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھیں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو انکا راستہ چھوڑ دو یعنی انکی گردن نہ مارو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر نماز نہ پڑھیں تو ان کا راستہ نہیں چھوڑا جائے گا۔

سورہ توبہ میں ہی پانچ آیتوں کے بعد ہے "فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ" پس اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں

اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں، ان احادیث اور آیات کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور عبداللہ ابن مبارک اور اسحاق ابن راہویہ اور امام احمد ابن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ نماز چھوڑنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، اور حکومت کا فرض ہے کہ اسکی گردن مار دے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسکو فوراً توبہ کرنی چاہئے اگر توبہ نہ کرے تو اسکی گردن مار دیجائے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اسکو قید خانہ میں ڈال دیا جائے اگر سچے دل سے توبہ کرلے تو چھوڑ دیا جائے ورنہ تاحیات قید خانہ میں رکھا جائے، امام شوکانی نیل الاوطار جلد اوّل ص۲۹۲ میں لکھتے ہیں "والحق انّہ کافرٌ یقتلُ" اور حق بات یہ ہے کہ تارکِ صلوٰہ کافر ہے اسکو تہ تیغ کر دیا جائے۔

برادرانِ اسلام! غور کیجئے اور اندازہ لگائیے کہ نماز کا چھوڑنا کتنا خطرناک ہے، خدارا نماز کی اہمیت کو سمجھئے اور اسلام میں اس کا جو مقام ہے اسکو محسوس کیجئے، اور خوب سمجھ لیجئے کہ نماز کا لطف جماعت میں ہے نماز کی چاشنی آپکو اسی وقت نصیب ہوگی، جب آپ اسکو جماعت کے ساتھ ادا کریں گے "عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَتُقَامَ ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ ثُمَّ اَنْطَلِقَ مَعِيَ بِرِجَالٍ مَعَهُمْ حُزَمٌ مِنْ حَطَبٍ اِلٰى قَوْمٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ بِالنَّارِ" (بخاری ومسلم) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا کہ کسی سے کہوں کہ وہ نماز پڑھائے، اور میں کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر جاؤں جن کے پاس سوکھی لکڑیوں کے گٹھے ہوں، پھر جو لوگ نماز میں نہیں آتے، ان کے گھروں میں آگ لگا دوں۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عہد نبوت میں یہ دیکھا ہے کہ مسجد میں صرف وہ لوگ نہیں آتے تھے جو منافق مشہور تھے " وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتَىٰ بِهِ يُهَادِىٰ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ " (مسلم) آدمی دو آدمیوں کا سہارا لیکر گھسٹتا ہوا مسجد میں آتا تھا، یہانتک کہ اسکو صف میں کھڑا کردیا جاتا تھا۔ "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ عَلٰى صَلٰوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ دَرَجَةً" (بخاری و مسلم) "جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس گنا افضل ہے"۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ انسان جب اکٹھے ہوکر امید و خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اللہ کو پکارتے ہیں تو ایسی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا ہے کہ تنہا پکارنے میں اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا، نیز چاروں طرف سے لوگ جب مسجد میں آتے ہیں اور اجتماعیت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں تو اس سے نماز اور اسلام کا اعلان واظہار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ محلّہ کے لوگ ملکر اسلام کا اعلان کریں اسکے لئے پنجوقتہ جماعت کا حکم ہوا، پھر ہفتہ میں ایک دن پورا شہر اپنے اسلام کا اعلان کرے اس کیلئے جمعہ رکھا گیا۔

علامہ شوکانی نیل الاوطار جلد دوم صفحہ ۱۲۲ پر لکھتے ہیں کہ جماعت سے نماز پڑھنا امام احمد اور امام اوزاعی، اسحاق ابن راہویہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک فرض عین ہے۔

شوافع، مالکیہ اور بہت سے حنفیہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے، بقیہ حضرات کے نزدیک سنّت مؤکدہ ہے۔

حضرات! رسول اللہ صلی علیہ وسلّم کی ایک سنّت یہ بھی ہے کہ جوں ہی

نماز کا وقت آئے ہم نماز کیلئے بے چین ہو جائیں، نماز کے سوا ہمیں کچھ سجھائی نہ دے، نماز کی طرف ہم پروانہ وار دوڑ پڑیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحَدِّثُنَا وَنُحَدِّثُہٗ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَکَاَنَّہٗ لَمْ یَعْرِفْنَا وَلَمْ نَعْرِفْہُ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے باتیں کرتے رہتے تھے اور ہم آپ سے باتیں کرتے رہتے تھے، لیکن جب نماز کا وقت آتا تھا تو آپ ایسے ہو جاتے تھے کہ جیسے آپ ہم کو نہیں جانتے اور ہم آپکو نہیں جانتے، آخر کوئی بات تو تھی کہ حضرت سعید ابن مسیب کی چالیس سال تک تکبیر تحریمہ نہیں چھوٹی، حضرت مسلم ابن یسار بصرہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مسجد کا ایک کونہ گر کر زمیں بوس ہو گیا، لوگوں کی بھیڑ لگ گئی، لیکن حضرت مسلم ابن یسار نماز میں ایسے کھوئے ہوئے تھے کہ پتہ نہیں چل سکا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی بھیڑ دیکھی.....

حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ان سے دریافت کیا جاتا کہ یہ آپ کا کیا حال ہے؟ فرماتے کہ جو امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں پر پیش کی گئی تھی اور وہ اسکو نہیں اٹھا سکے تھے اس کا وقت آگیا ہے۔

عماد ابن ابو سلیمان کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ آدھی رات نماز میں صرف کیا کرتے تھے، ایک دن آپ کہیں جا رہے تھے کہ ایک صاحب نے آپکی طرف اشارہ کر کے کسی دوسرے صاحب سے کہا کہ یہ وہ صاحب ہیں جو پوری رات عبادت کرتے ہیں اس کے بعد سے آپ نے پوری رات جاگنے کا معمول بنا لیا اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میرے بارے میں

ایسی بات کہی جائے جو مجھ میں نہیں پائی جاتی ۔

امام شافعیؒ نے رات کے تین حصّے کر رکھے تھے، ایک حصّہ علم کیلئے اور ایک حصّہ عبادت کیلئے اور ایک حصّہ آرام کیلئے، رمضان المبارک میں آپ ساٹھ قرآن ختم کرتے تھے، اور سب نمازوں میں پڑھتے تھے ۔

حاتم اصم ایک بزرگ گذرے ہیں ان سے جب انکی نماز کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ میں جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو خانۂ کعبہ کو اپنے سامنے رکھتا ہوں اور یہ تصوّر کرتا ہوں کہ میں پلصراط پر کھڑا ہوں، اور جنت میرے دائیں جانب ہے اور دوزخ بائیں جانب اور ملک الموت میرے پیچھے کھڑا ہے، پھر برابر امید اور خوف کے درمیان رہتا ہوں کہ معلوم نہیں میری نماز قبول ہوئی یا نہیں ؟

حاضرین کرام ! نماز کا اصل مقصد اللہ کی یاد ہے، اسکی عظمت کا اظہار ہے، لیکن اسمیں اخلاقی، تمدّنی اور دنیاوی فوائد بھی مضمر ہیں، اس سے اجتماعیت پیدا ہوتی ہے، یہ مساوات کا درس دیتی ہے، اس میں امام سب سے زیادہ متقی انسان کو چنا جاتا ہے لہٰذا یہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ" کی تفسیر کرتی ہے، یہ صبح خیزی کا عادی بناتی ہے، یہ پابندیِ اوقات کی خو پیدا کرتی ہے اسکے ذریعہ مسلمانوں کی خبر گیری کا موقع ملتا ہے، یہ ایک امیر کی اطاعت کا سبق سکھاتی ہے، علامہ اقبال کہتے ہیں ؎

لا الٰہ باشد صدف گوہر نماز　　قلب مسلم را حج اصغر نماز
در کف مسلم مثال خنجر است　　قاتل فحشاء و بغی و منکر است

کلمہ لا الٰہ الا اللہ سیپ ہے، نماز اس کا موتی ہے، نماز مسلمانوں کے ہاتھوں میں ایک خنجر ہے جس کے ذریعہ بے حیائی اور منکرات کو فنا

کیا جا سکتا ہے۔
آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بالغ مسلمان کو نماز کا عادی بنائے اور ہر فرزند اسلام کو ترک نماز کے گناہ کبیرہ سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تقریرِ شانزدہم ۱۶

ارکانِ ثلاثہ

(۱) زکوٰۃ

اَمَّا بَعْدُ: فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
"وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ" (البقرۃ ۴۳) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ" (البقرۃ ۱۸۳)
"وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (اٰلِ عمران ۹۷)

حاضرینِ کرام! یہ تین آیتیں ہیں جن میں الگ الگ احکام دیے گئے ہیں پہلی آیت سورۂ بقرہ کی ہے، اور دوسری آیت بھی سورۂ بقرہ کی ہے، لیکن پہلی آیت کے بہت بعد واقع ہے، اور تیسری آیت آلِ عمران کی ہے پہلی آیت میں ارشاد ہے "اور نماز برپا کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو" دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے فرض کئے گئے، جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے جو تم سے پہلے گذرے ہیں، تاکہ تمہارے اندر تقوی آئے۔

تیسری آیت میں فرمایا گیا "اور اللہ کیلئے لوگوں کے ذمہ خانۂ کعبہ کا حج ہے، وہ لوگ جو وہاں تک پہونچنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔

حضرات! یہ ارکانِ ثلاثہ کا بیان ہے یعنی زکوٰۃ، روزہ اور حج کا بیان، آج کا موضوع بھی یہی ہے کہ ان تینوں ارکان پر روشنی ڈالی جائے سب سے پہلے زکوٰۃ کو لیجئے، زکوٰۃ اور نماز کو توام "جڑواں" کہا جاتا ہے قرآن کریم میں بیس مقامات ایسے ہیں جہاں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے، ان بیس مقامات کے علاوہ بہت سے مقامات ہیں جہاں صرف زکوٰۃ کا تذکرہ ہے، اسکے ادا کرنیوالوں کی تعریف ہے اسکے نہ دینے والوں کی مذمت ہے۔

زکوٰۃ یعنی غریبوں کی چارہ گری اسکینوں کی دستگیری، مسافروں کی امداد یتیموں کی خبرگیری، بیواؤں کی نصرت، غلاموں اور قیدیوں کی اعانت نماز کے بعد عبادت کا دوسرا رکن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام صرف دو لفظوں سے مرکب ہے، خدا کا حق، بھائیوں کا حق پہلے لفظ کا مظہر اعظم نماز ہے اور دوسرے کا زکوٰۃ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق جب بلند ہوئی، تو آپکی پکار کی ہر آواز ان ہی دو لفظوں کی تشریح و تفصیل تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جسطرح بعثت سے پہلے غار حرا میں چھپ کر خدا کی یاد (نماز) میں مصروف رہتے تھے، اسی طرح بیکس اور لاچار انسانو کی دستگیری بھی فرمایا کرتے تھے، صحابہ کا یہ حال تھا کہ وہ بھی جن کے پاس کچھ نہ تھا، خدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ دینے کیلئے بیقرار رہتے تھے، چنانچہ جب یہ حکم ہوا کہ ہر مسلمان پر صدقہ دینا فرض ہے، تو غریب اور نادار صحابہ نے آکر عرض کی کہ اے خدا کے رسولؐ جس کے پاس کچھ نہ ہو، وہ

کیا کرے، فرمایا: وہ محنت و مزدوری کر کے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے، خود بھی فائدہ اٹھائے، اور دوسروں کو بھی صدقہ دے، انھوں نے پھر گذارش کی کہ جس میں اسکی بھی طاقت نہ ہو وہ کیا کرے، فرمایا کہ وہ فریاد خواہ حاجتمند کی مدد کرے، انھوں نے پھر دریافت کیا کہ اگر اسکی بھی قدرت نہ ہو؟ ارشاد ہوا تو وہ نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے، اور کسی کو اذیت نہ پہونچائے یہی اس کا صدقہ ہے۔

برادران اسلام! عزیزان ملت! آپکی ضرورت سے زائد آپ کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا باون تولہ چاندی یا نقد رقومات ہیں یا آپ کے کھیتوں میں کافی مقدار میں غلہ پیدا ہوا ہے، یا جانوروں کے ریوڑ ہیں، خدارا مجھے سمجھائیے کہ اس ضرورت سے زائد سونے، چاندی یا نقد رقومات سے چالیسواں حصہ نکالنا آپ کیلئے کیوں مشکل ہے؟ خدا کے دئے ہوئے غلہ کے ڈھیر سے بیسواں حصہ نکالنے میں آپکو کیا دشواری ہے؟ جس کو اللہ نے پانچ اونٹ دئے ہیں، کیا وہ ایک بکری اللہ کے راستے میں نہیں دے سکتا؟ جس کے پاس تیس گائیں ہیں کیا وہ ایک بچھیا اللہ کے راستہ میں نہیں دے سکتا، چالیس بکریوں کے ریوڑ سے ایک بکری راہ خدا میں نکالدینا کونسا دشوار کام ہے؟ ایسے سنگدل اور خودسر، بےرحم اور جفاپیشہ انسانوں کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ عذاب الٰہی انکی تاک میں ہے، اور وہ اپنے بخل، اپنی طمع، اپنی زرپرستی کی بدولت ہولناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں "وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ" (آل عمران ۱۸۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو دے رکھا ہے، اس میں جو لوگ بخل کرتے ہیں وہ ہرگز نہ سمجھیں کہ یہ بخل انکے حق میں بہتر ہے، نہیں بلکہ یہ ان کے لئے بد تر ہے، جس مال میں انھوں نے بخل کیا ہے قیامت میں اسکا طوق بنا کر انکے گلے میں ڈالا جائے گا، اور اللہ ہی کیلئے آسمان و زمین کی وراثت ہے اور اللہ ان اعمال سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے ہو، وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (البقرۃ ۲۵) اور جو لوگ سونا، چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں، اور اسکو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے انکو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے، جس دن سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے انکی پیشانیاں انکے پہلو اور انکی پیٹھیں داغی جائیں گی اور کہا جائے گا یہ وہی مال ہے جسکو تم نے جمع کر کے اور گاڑ کر رکھا تھا سو اب اس گاڑنے اور جمع کرنیکا عذاب چکھو!

حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں "بخیل دولت مند کو جب خدا کے راستے میں خرچ کرنے کو کہا جاتا ہے تو اسکی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں، زیادہ کہو تو اعراض کر کے ادھر سے پہلو بدل لیتا ہے، اگر اس پر بھی جان نہ بچی تو پیٹھ پھیر کر چلدیتا ہے، اس لئے سونا، چاندی تپا کر ان تین موقعوں، پیشانی، پہلو پیٹھ پر داغ دیئے جائیں گے تاکہ اسکے جمع کرنے اور گاڑنے کا مزہ چکھ لے"

حدیث شریف میں ہے کہ محشر میں آدمی کو ایک ہموار زمین پر لٹا دیا جائے گا، پھر جن اونٹوں اور گایوں کی اس نے زکوٰۃ نہیں دی تھی ان سے اسکو روندا جائیگا، ہزاروں سال تک یہی ہوتا رہے گا، ایک

روند کر جائے گا، پھر دوسرا آجائے گا، دوسرا روند چکے گا تو تیسرا، یہی سلسلہ چلتا رہے گا، جب سب فارغ ہو جائیں گے تو پھر پہلے سے شروع کیا جائیگا۔

برادرانِ اسلام! قرآن مجید میں سود اور صدقہ میں جو فرق کیا گیا ہے وہ یہ ہے "یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ" اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے، یہاں اخروی ثواب وگناہ اور برکت وبے برکتی کے فرق کے علاوہ اصلی مقصد یہ ہے کہ سود گو شخصی دولت میں اضافہ کرتا ہے لیکن جماعتی دولت کو برباد کر دیتا ہے جس سے پوری قوم مفلس ہو جاتی ہے، اور آخر وہ شخص بھی تباہ ہو جاتا ہے، اور صدقہ وعطا سے قوم کے نہ کمانے والے افراد کی امداد ہو جاتی ہے اور ساری قوم خوشی اور برکت کی زندگی بسر کرتی ہے، اگر سود لینے والا کبھی اتفاقی مالی خطرہ میں پڑ جاتا ہے تو اسکی مدد کیلئے جماعت ایک انگلی تک نہیں ہلاتی، لیکن صدقہ دینے والے کی مدد کیلئے پوری قوم کھڑی ہو جاتی ہے، ایک بات اور ہے اور وہ یہ ہے کہ سود خوار اپنے مال کے اضافہ اور ترقی کے حرص میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ جس تلوار سے دوسروں کو قتل کر کے انکی دولت پر قبضہ کرتا ہے، آخر اسی تلوار سے دوسرے اسکو قتل کر کے اسکی پونجی اور منافع پر بیک دفعہ قبضہ کر لیتے ہیں، لیکن صدقہ وخیرات دینے والا دوسروں کو نہیں لوٹتا، اس لئے دوسرے بھی اسکو نہیں لوٹتے، وہ سلامتی کے ساتھ اپنے کاروبار کو چلاتا ہے۔

حضارِ محفل! زکوٰۃ میں انفرادی اور اجتماعی، روحانی اور مادّی بہت سے فوائد ہیں، انفرادی اور روحانی فائدہ کو لے لیجئے، زکوٰۃ ادا کرنے کا اثر خود زکوٰۃ ادا کرنے والے پر یہ پڑتا ہے، کہ اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے،

وہ بخل اور سنگدلی کی بیماری سے نجات پاتا ہے، اور لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں "السَّخِی قَرِیبٌ مِنَ اللهِ قَرِیبٌ مِّنَ النَّاسِ، قَرِیبٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، بَعِیدٌ مِّنَ النَّارِ، وَالْبَخِیلُ بَعِیدٌ مِنَ اللهِ بَعِیدٌ مِّنَ النَّاسِ بَعِیدٌ مِّنَ الْجَنَّةِ، قَرِیبٌ مِنَ النَّارِ" سخی اللہ سے قریب ہے، لوگوں سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے اور دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے، لوگوں سے دور ہے، جنت سے دور ہے اور دوزخ سے قریب ہے" خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا" اے نبی ان سے زکوٰۃ لیکر ان کا تزکیہ کیجئے، انکو پاک وصاف کیجئے۔

اجتماعی فائدہ یہ ہے کہ غریب اور حاجتمند طبقہ کی اعانت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے لئے دو قسم کی تدبیریں اختیار فرمائیں ایک یہ کہ ہر مسلمان کو نصیحت کی کہ جس سے جتنا ہو سکے اپنی دولت سے انکی مدد کرے، یہ اخلاقی خیرات ہے جسکا نام قرآن کی زبان میں انفاق ہے لیکن چونکہ یہ اخلاقی خیرات ہر شخص کو اس ضروری نیکی پر مجبور نہیں کرتی، اس لئے ایک مقدار معین کے مالک پر ایک ایسا قانونی محصول عائد کیا، جسکو سالانہ ادا کرنا مذہبی فریضہ ہے، اور اس مجموعی رقم کا بڑا حصہ غریبوں اور محتاجوں کی امداد و اعانت کیلئے مخصوص کیا، اور اس فریضہ کو ناقابل تغیر دستور العمل کے طور پر اپنی امت کو ہمیشہ کیلئے سپرد فرمایا، چنانچہ آپ نے معاذ ابن جبلؓ کو اپنا نائب بنا کر یمن بھیجا تو توحید اور نماز کے بعد جس چیز کا حکم دیا وہ یہی زکوٰۃ ہے، پھر اسکی نسبت انکو یہ ہدایت فرمائی: تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِهِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِهِمْ" وہ انکے دولتمندوں سے لیکر انکے غریبوں کو لوٹا دی جائے۔

زکوٰۃ میں اشتراکیت کا علاج ہے، دنیا میں امیر و غریب کی جنگ ہمیشہ سے قائم ہے، بعض طبقے نہایت دولتمند ہو جاتے ہیں جن کے خزانوں کیلئے زمین کا پورا طبقہ بھی کافی نہیں ہوتا، اور دوسری طرف وہ غریب ہوتے ہیں جن کے پاس کھانے کیلئے ایک سوکھا ٹکڑا، اور سونے کیلئے ایک بالشت زمین بھی نہیں ہوتی، دولتمند طبقوں کی خود غرضی، خود پسندی، عیاشی اس حد تک پہونچ جاتی ہے کہ وہ اپنے ننگے اور بھوکے بھائیوں کو روٹی کا ایک ٹکڑا اور کپڑے کا ایک چیتھڑا دینے تک کے روادار نہیں ہوتے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اتفاقی دولت خدا کی طرف سے نہیں، بلکہ ان کے علم و ہنر، سعی و کوشش اور دست و بازو سے حاصل ہوئی ہے، اسلئے ان سست و ناکارہ افراد کا اس میں کوئی حصّہ نہیں، قارون کو جب زکوٰۃ و خیرات کا حکم ہوا تو اسنے جواب میں یہی کہا "اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ" (قصص) یہ سب میرے ہنر کی بدولت ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی اس مشکل کا اندازہ کر لیا تھا، چنانچہ آپ نے اسکے حل کرنے کیلئے یہ اصول مقرر کر دیا کہ ذاتی و شخصی ملکیت کے جواز کے ساتھ ساتھ دولت و سرمایہ کو چند اشخاص کے ہاتھوں میں جانے سے روکا جائے، سود کو حرام قرار دیا گیا، متروکہ جائیداد کو صرف ایک ہی شخص کی ملکیت نہیں قرار دیا گیا، نفعِ عام کی چیزیں اشخاص کے بجائے جماعت کی ملکیت قرار دی گئیں، قیصریت اور شہنشاہیت کے بجائے جماعت کی حکومت قائم کی، زمینداری کا پرانا اصول جس میں کاشتکار غلام کی حیثیت رکھتا تھا بدل دیا اور اسکی حیثیت اجیر اور مزدور کی رکھی، سرمایہ داروں پر غریبوں کی امداد کیلئے ایک سالانہ رقم قانونی طور پر مقرر کر دی

تاکہ وہ اسکے ادا کرنے پر مجبور ہوں، اور جماعت کا فرض قرار دیا کہ وہ اس رقم سے قابلِ اعانت لوگوں کی دستگیری کرے، یہی وہ راز ہے جسکی بناء پر اسلامی حکومت اس قسم کی اقتصادی مصیبتوں سے محفوظ رہی، آج بھی اگر اسلامی ممالک میں اس پر عمل درآمد ہو تو یہ فتنے زمین کے اتنے رقبے میں پیدا نہیں ہو سکتے، زکوٰۃ میں اقتصادی فائدہ یہ ہے کہ لوگ اپنے سرمایہ کو بیکار نہ رکھیں، بلکہ محنت، کوشش، جدّ و جہد سے اسکو ترقی دیں، ورنہ اصل سرمایہ میں سال بسال کمی ہوتی جائے گی، جسکو فطرتاً کوئی برداشت نہیں کرسکتا اسطرح زکوٰۃ کا بالواسطہ مقصد یہ بھی ہے کہ تجارت و زراعت کو جو دولت کا اصل سرچشمہ ہیں ترقی دیجائے، کیونکہ جب ہر شخص کو لازمی طور پر سال میں ایک خاص رقم ادا کرنی پڑے گی تو وہ کوشش کرے گا کہ جہاں تک ہوسکے یہ رقم منافع سے ادا کرے، اور راصل سرمایہ محفوظ رکھے، اسی بناء پر ایک سال کی وسیع مدت مقرر کی گئی تاکہ ہر شخص اپنے مال یا جائیداد سے کامل طور پر فائدہ اٹھا سکے، صحابۂ کرام اس نکتہ کو سمجھ کر ہمیشہ تجارت اور کاروبار میں مصروف رہتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے زمانۂ خلافت میں ان لوگوں کو جو یتیموں کے سرمایہ کے متولی تھے ہدایت کی کہ وہ ان کو تجارت میں لگائیں، تاکہ انکے بالغ ہونے تک ان کا اصل سرمایہ زکوٰۃ میں صرف نہ ہو جائے، کاش ہمارے مسلمان بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مختصر حدیث کو یاد رکھیں "مَاخَالَطَتِ الزَّکٰوۃُ مَالاً قَطُّ اِلَّا اَهْلَکَتْهُ" (رواہ الشافعی، مشکوٰۃ) زکوٰۃ جس مال میں بھی شامل ہو جائیگی اسے فنا کر دیگی۔

ائمہ مجتہدین یعنی امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اسکی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کسی پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس نے زکوٰۃ نہیں نکالی، اس

صورت میں انتالیس حصّے تو مالک کے اپنے ہیں لیکن چالیسواں حصّہ ان میں زکوٰۃ کا بھی شامل ہو گیا، یہ چالیسواں حصّہ ان انتالیس حصّوں کو بھی لے ڈوبے گا، پورے مال سے برکت اٹھالی جائے گی، آدمی اس مال میں سے جو حصّہ بھی اپنے استعمال میں لائے گا انہیں اس چالیسویں حصّہ کا بھی کوئی جزء شامل ہو گا، اسطرح وہ مال حرام کو استعمال کر رہا ہے، نیز اسی تباہی کی ایک صورت اور بھی ہے، اور وہ یہ ہے کہ آدمی مالدار ہے مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، اور اس نے زکوٰۃ لے لی تو اپنے مالِ حلال میں اپنے زکوٰۃ کو شامل کر لیا اسطرح اس نے پورے مال کو حرام بنالیا۔

بھائیو! خدا کے لئے اس پر غور کرو اور زکوٰۃ کے بارے میں غفلت سے باز آؤ، اور زکوٰۃ کی آمیزش کی تباہ کاریوں سے اپنے آپ کو بچاؤ نہ اپنی زکوٰۃ نکالنے میں تساہل سے کام لو، نہ دوسرے کی زکوٰۃ کو اپنے مال میں شامل ہونے دو، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا۔ شاعر کہتا ہے ؎

حبّ دولت را فنا سازد زکوٰۃ ؛ ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل زحَتّٰی تُنْفِقُوْا محکم کند ؛ زر فزاید الفتِ زر کم کند

زکوٰۃ دولت کی محبت کو فنا کر دیتی ہے، زکوٰۃ مساوات کا احساس دلاتی ہے، زکوٰۃ "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" کے ذریعہ دل کو قوی کرتی ہے، دولت بڑھاتی ہے، دولت کی محبت کو گھٹاتی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

○○○

تقریر ہفتہ ہم

(۲)

رُوزہ

روزہ کیلئے قرآنِ حکیم میں صبر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے جسکے معنی ہیں ضبطِ نفس، ثابت قدمی اور استقلال، روزے کو صبر قرار دینا روزے کے مفہوم کی وضاحت کر رہا ہے، یہ کہنا کہ روزہ صبر ہے اس سے روزہ کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کی زبان میں روزے کا کیا مفہوم ہے۔

روزہ درحقیقت نفسانی ہوا و ہوس اور بہیمی خواہشوں سے اپنے آپ کو روکنے اور حرص و ہوا کے ڈگمگا دینے والے موقعوں میں اپنے آپکو ضابطہ اور ثابت قدم رکھنے کا نام ہے، خواہشات اور حرص و ہوا کا مظہر تین چیزیں ہیں کھانا، پینا، اور مرد و زن کے جنسی تعلقات، ان سے ایک معینہ مدت تک رکے رہنے کا نام روزہ ہے، لیکن دراصل ان ظاہری خواہشوں کے ساتھ باطنی خواہشوں اور برائیوں سے دل اور زبان کو محفوظ رکھنا بھی خواص کے

نزدیک روزے کی حقیقت میں داخل ہے۔

حاضرین کرام! ایک بات قابلِ غور ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی ضرورتوں اور اسکے اغراض و مقاصد کا جو ایک وسیع اور لاتناہی سلسلہ نظر آتا ہے اس کی اصل حقیقت کتنی ہے، ہمارے دل میں آرزوؤں کا ایک ڈھیر ہے، تمناؤں کی ایک بھیڑ ہے، اور خود ساختہ ضرورتوں کا ایک انبار ہے، لیکن کیا خوشنما کپڑوں، عالیشان عمارتوں، لذیذ غذاؤں اور تیز رفتار سواریوں کے بغیر ہم جی نہیں سکتے؟ زر و مال اور خدم و حشم سے ہمارے کاشانے خالی ہوں تو کیا ہماری زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا، بادشاہوں نے فقیروں کی زندگی بسر کی اور زندہ رہے ہیں، عام روایت کے مطابق ابراہیم ادھمؒ بادشاہ سے فقیر ہو گئے اور نہایت پر مسرت زندگی بسر کی، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے تعیش، ہمارے افراط، ہمارے تصنع اور ہمارے تکلف نے ہماری زندگی مہنگی کر دی ہے، اور ہم سے فطری مسرتیں سلب کر لی ہیں، ورنہ ہم صرف پانی کے چند گھونٹ پی کر اور کھانے کے چند لقمے کھا کر زندہ رہ سکتے ہیں، اگر انسان کے تمام جرائم اور گناہوں کی پوری فہرست تیار کی جائے تو اس کا آخری سبب ہمارا یہی تعیش ہوگا، روزے سے مقصود یہ ہے کہ انسان رفتہ رفتہ اپنی ضرورتوں کا دائرہ کم کر دے۔

حضرات! مادی کثافتوں سے پاک ہونے کیلئے اکل و شرب سے ایک حد تک پرہیز ضروری ہے، پیغمبروں کی تاریخ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ رکھنے سے پیغمبر کے دل و دماغ میں وحیِ الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگتا ہے، کوہِ سینا کا پر جلال پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) جب توریت لینے جاتا ہے تو چالیس شبانہ روز بھوکا اور پیاسا رہتا ہے، کوہِ سعیر کا مقدس

آنیوالا (حضرت عیسیٰ) اس سے پہلے کہ اسکے منہ میں انجیل گویا ہو وہ چالیس روز و شب بھوکا اور پیاسا رہا، اسی طرح فاران کا آتشیں شریعت والا پیغمبر (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نزول قرآن سے پہلے پورے ایک مہینے حرا نام مکہ کے ایک غار میں ہر قسم کی عبادتوں میں مصروف رہتا ہے اور بالآخر اسی مہینے میں ناموس اکبر یعنی جبریل امین اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ کا مژدۂ جانفزا لیکر نمودار ہوتا ہے، یہ واقعہ کس ماہ مبارک کا تھا شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۝ رمضان کا وہ مہینہ جسمیں قرآن اترا، یہ کس شب اقدس کی داستان ہے "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ" ہم نے قرآن کو ایک برکت والی رات میں اتارا اس مبارک شب کو ہم کس نام سے جانتے ہیں "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ" ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا۔

حضرات! روزہ ایک قسم کی دوا ہے اور دوا کو بقدر دوا ہی ہونا چاہئے تھا، اگر پورا سال اس دوا میں صرف کر دیا جاتا تو یہ ایک غیر طبعی علاج ہوتا، اور مسلمانوں کی جسمانی جدوجہد کا خاتمہ ہوجاتا اور انکی شگفتگی مزاج مٹ جاتی، لیکن اگر ایک دو روز کا تنگ اور محدود زمانہ رکھا جاتا تو یہ اتنی کم مدت تھی کہ اس میں دوا کا فائدہ بھی ظاہر نہ ہوتا، اسلئے اسلام نے روزے کیلئے سال کے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ مقرر کیا، اور اس مہینہ کو متعین اس لئے کر دیا گیا کہ تمام افراد امت بیک وقت اس فرض کو ادا کر کے اپنی وحدت کا مظاہرہ کریں، اور اس کیلئے وہی مہینہ موزوں تھا جس میں قرآن نازل ہونا شروع ہوا یعنی رمضان، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے یہ مہینہ ہمیشہ روزے میں گذارا۔

حاضرین کرام! یہ اس سے قبل بھی عرض کیا جاچکا ہے کہ حضرت موسیٰ نے چالیس روز روزہ سے بسر کئے تب توریت کی لوحیں ان کے سپرد ہوئیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی چالیس روز اسی طرح گذارے، تب حکمت کا سرچشمہ انکی زبان اور سینے سے ابلا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں ایک مہینہ مصروف عبادت رہے، اسکے بعد فیضان الٰہی کا نور اس غار کے دہانے سے طلوع ہوا، معلوم ہوا کہ روزہ کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس میں انبیاء علیہم السلام کی تقلید اور پیروی ہے، گذشتہ امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تقلید کے سبق کو چند ہی روز میں بھلا دیا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کروڑوں اور اربوں امت اسکو اب تک یاد رکھے ہوئے ہے، اور اپنے آپکو رسول کی پیروی میں وہ بھی ایک مہینہ تک اسی طرح کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں سے پاک رکھتی اور ملکوتی زندگی بسر کرتی ہے۔

محترم حضرات! ذرا دیر کیلئے میں آپکی توجہ ایک دوسرے امر کیطرف مبذول کرنا چاہتا ہوں، توجہ فرمائیے! وہ امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روزہ کے مقاصد اور اس کے فوائد اور اسکے مصالح پر روشنی ڈالتے ہوئے تین جملے ارشاد فرمائے ہیں ۱۔ "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" ۲۔ "وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ" ۳۔ "وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ" روزوں کا ایک مقصد یہ ہے کہ تم متقی بنو، تمہارے اندر تقویٰ آئے، دوسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہبری جیسے کارنامے پر تم اسکی بڑائی بولو، اس کی عظمت کا اظہار کرو، اور تیسرا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احسان پر اس کا شکریہ ادا کرو۔

روزے کا سب سے بڑا معنوی مقصد تقویٰ اور دل کی پرہیزگاری اور صفائی ہے، تقویٰ: دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونے کے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے لگتی ہے اور نیک باتوں کیطرف

اسکو بتا با نہ تڑپ ہوتی ہے، اور روزے کا مقصود یہ ہیکہ انسان کے اندر یہی کیفیت پیدا ہو، بات یہ ہیکہ گناہوں کے اکثر جذبات حیوانی قوت کی افراط سے پیدا ہوتے ہیں، روزہ ان جذبات کی شدت کو کم کردیتا ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نوجوانوں کا علاج جو اپنی مالی مجبوریوں کے سبب نکاح کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور ساتھ ہی اپنے نفس پر بھی قابو نہیں رکھتے روزہ بتایا ہے اور فرمایا ہیکہ روزہ شہوت کو توڑنے اور کم کرنیکے لئے بہترین چیز ہے "شکریہ" روزہ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم الشان احسان کا شکریہ ہے، جو اس نے اپنے پیغمبر صادق کے ذریعہ انسانوں پر کیا، روزہ اسکی احسان شناسی کا احساس ہے وہ کتاب الٰہی وہ تعلیم ربانی، وہ ہدایات روحانی جو ان ایام میں انسانوں کو عنایت ہوئیں جنھوں نے ان کو شیطان سے فرشتہ اور ظلمانی سے نورانی بنایا پستی و ذلت کے عمیق غار سے نکال کر انکو اوج کمال تک پہونچایا، انکی وحشت کو تہذیب واخلاق سے، انکی جہالت کو علم و معرفت سے ان کی نادانی کو حکمت و دانائی سے اور انکی تاریکی کو بصیرت و روشنی سے بدل دیا، جنھوں نے انکی قسمتوں کے پلنے پلٹ دئے اور فضل و دولت اور خیر و برکت کے خزانوں سے انکے کاشانوں کو معمور کردیا، جنھوں نے ذرۂ بے مقدار کو آفتاب اور مشت خاک کو ہمدوش ثریا بنا دیا، اس ہدایت ربانی اور کتاب الٰہی کے عطیہ پر شکر گذاری کیلئے اس مہینہ کے دنوں میں روزہ رکھا جاتا ہے اور اس کی راتوں میں پوری کتاب کو تراویح میں پڑھا اور سنا جاتا ہے اور "وَلِتُكَبِّرُوا اللهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ" کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ مسلمان اس مہینہ کے خاتمے پر اللہُ اکبر، اللہُ اکبر کا ترانہ بلند کرتے ہوئے

عیدگاہوں میں جاتے اور خوشی و مسرت کے ولولوں کے ساتھ عید کا دوگانہ ادا کرتے ہیں ۔

برادرانِ اسلام ! روزے کے کچھ ضمنی اور ذیلی فوائد بھی ہیں :

۱۔ روزہ ہی امیروں اور شکم سیر لوگوں کو بتاتا ہے کہ فاقے میں کیسی اذیت اور بھوک، اور پیاس کی تکلیف ہوتی ہے، اور اسی وقت اسکو اپنے غریب اور فاقے سے نڈھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چند لقموں سے انکی تکلیف کو دور کرنا کتنا بڑا ثواب ہے جو خود بھوکا نہ ہوا اسکو بھوک کی اور جو خود پیاسا نہ ہوا اسکو پیاس کی تکلیف کا احساس کیونکر ہوگا، بقول حافظ ابن قیمؒ: سوزِ جگر کے سمجھنے کیلئے پہلے سوختہ جگر ہونا ضروری ہے، روزہ اسی احساس کو زندہ اور ایثار، رحم اور ہمدردی کے جذبہ کو بیدار کرتا ہے، چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ بعض صحابہ کہتے ہیں، کہ رمضان میں آپ کی سخاوت بادِ رواں کی طرح ہوتی تھی، اور اسی کا اثر ہے کہ آج تک مسلمانوں کے ہاں اس مہینہ میں غریبوں اور فقیروں کی امداد و اعانت کی جاتی ہے ۔

ع عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شبِ غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

۲۔ انسان گو کتنا ہی نازو نعمت کی گود میں پلا ہو اور مال و دولت سے مالا مال ہو تاہم زمانہ کا انقلاب اور زندگی کی کشمکش اسکو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے جسم کو مشکلات کا عادی اور سختیوں کا خوگر بنائے جہاد کے ہر متوقع میدان کیلئے بھوک اور پیاس سے اپنے آپ کو آشنا رکھنے کی ضرورت ہے، یہی سبب ہے کہ مسلمان مجاہد اور سپاہی میدانِ جنگ

میں بھوک اور پیاس کی تکالیف کو جسطرح ہنسی، خوشی برداشت کرتا ہے، دوسرا نہیں کرتا، یہ گویا ایک قسم کی جبری فوجی ورزش ہے جو ہر مسلمان کو سال میں ایک مہینہ کرائی جاتی ہے تاکہ وہ ہر قسم کے جسمانی مشکلات کو اٹھانے کیلئے ہر وقت تیار رہے، اور دنیا کی کشمکش میں سختی و محنت کا پوری طرح مقابلہ کرسکے۔

نمبر۳ جسطرح حد سے زیادہ فاقہ اور بھوک انسان کے جسم کو کمزور کردیتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ کھانا انسان کے جسم کو مختلف امراض اور بیماریوں کا نشانہ بنادیتا ہے، طب کے تجربے اور مشاہدے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اکثر حالتوں میں انسان کا بھوکا رہنا اسکی صحت کیلئے ضروری ہے، مختلف بیماریوں کا یہ قطعی علاج ہے، طبی ہدایت ہے کہ کم ازکم ہفتہ میں ایک وقت کھانا ناغہ کیا جائے، اسلام میں ہفتہ وار مسنون و مستحب روزے بھی ہیں، مگر اسی کے ساتھ سال میں ایک دفعہ جسمانی فضلہ کی تخفیف کے لئے فرض روزہ رکھنا نہایت نفع بخش ہے، جو مسلمان رمضان کے روزے رکھتے ہیں، انکو ذاتی تجربہ ہوگا کہ ایک مہینہ کا روزہ کتنی بیماریوں کو دور کردیتا ہے، بشرطیکہ انھوں نے از خود کھانے پینے اور افطار و سحور میں بے اعتدالی نہ کی ہو، اسلئے یہ ایک قسم کا سالانہ جسمانی علاج بھی ہے۔

نمبر۴ انسان کی دماغی اور روحانی یکسوئی اور صفائی کیلئے مناسب فاقہ بہترین علاج ہے، جب انسان کا معدہ ہضم اور فتور سے خالی اور دل و دماغ تبخیر کی مصیبت سے پاک ہو تو دل و دماغ کے دریچے کھل جاتے ہیں، سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "اندرون خود را خالی دار تا در وی نور معرفت بینی" نور معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اندر کے حصّہ کو خالی رکھو۔

حاضرین جلسہ! روزہ ہمارے اندرونی جذبات میں سکون پیدا کرتا ہے یہ فرصت کی گھڑیاں عطا کرتا ہے، یہ قویٰ میں اعتدال پیدا کرتا ہے، یہ دل و دماغ کی جمعیت خاطر کا سامان ہے۔

روزہ ہمارے غور و فکر، اپنے اعمال کے محاسبے، اپنے کاموں کے انجام پر نظر، اپنے کئے پر ندامت اور پشیمانی اور خدائے تعالیٰ کی بازپرس سے ڈرنے کیلئے بہت موزوں ہے، روزہ گناہوں سے توبہ اور ندامت کے احساس کیلئے فطری اور طبعی ماحول پیدا کرتا ہے، روزہ نیکی اور نیک کاموں کیلئے ہمارے وجدانی ذوق و شوق کو ابھارتا ہے، یہی سبب ہے کہ رمضان کا زمانہ تمام تر عبادتوں اور نیکیوں کیلئے مخصوص کیا گیا ہے، اس میں تراویح ہے، اس میں زکوٰۃ نکالنا مستحب ہے، اس میں اعتکاف ہے، اس میں خیرات کرنا سب سے بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی گو سدا بہار تھی، لیکن رمضان کے موسم میں وہ تیز ہواؤں سے بھی زیادہ تیز ہو جاتی تھی۔

عزیزانِ گرامی، رمضان کا مہینہ اللہ کی برکھا رُت ہے، اس مہینہ میں اللہ کی رحمت کی بارش ہوتی ہے، اس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے اس کا درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور اس کا آخری حصہ دوزخ سے آزادی کا باعث ہے، موسم میں اگر کوئی غافل رہا یا چوک گیا تو تا حیات اس کی تلافی نہیں ہو سکتی، اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ رمضان کے روزے کا چھوڑنا ناقابلِ تلافی نقصان ہے، عمر بھر کے روزے رمضان کے ایک دن کی تلافی نہیں کر سکتے، رمضان کا مہینہ پا کر کوئی

روزہ نہ رکھے، اسکی مثال اس بدنصیب کی سی ہے جو آب حیات پر پہونچ کر مٹکا توڑ دے ۔

گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ
پہونچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبُو

دوستو! کان کھول کر سن لو، روزہ کا سب سے بڑا مقصد تقویٰ، پارسائی اور پرہیزگاری ہے، اس میں آنکھ، کان دل و دماغ کی حفاظت بے حد ضروری ہے، اگر آنکھ نے وہ چیز دیکھی جو اسے نہیں دیکھنی چاہیئے تھی، اور کانوں نے وہ باتیں سنیں جو انھیں نہیں سننی چاہیئے تھیں اور دل و دماغ نے وہ منصوبے بنائے جو انھیں نہیں بنانے چاہیئے تھے، اور زبان نے وہ بات کہی جو اسے نہیں کہنی چاہیئے تھی تو روزہ ناقص ہو گیا، اور سفیان ثوریؒ کے نزدیک روزہ ٹوٹ گیا، وہ فرماتے ہیں کہ جسطرح کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، گناہ سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے" حدیث شریف میں ہے کہ روزہ اسوقت تک سپر ہے جبتک کہ اس میں سوراخ نہ کر دو، صحابہ نے دریافت کیا یا رسول اللہ! اسمیں سوراخ کس چیز سے ہو جاتا ہے، فرمایا جھوٹ اور غیبت سے ۔

حضرات! میری تقریر درازسے درازتر ہو گئی، اب میں سلسلۂ کلام کو ختم کرتا ہوں، اور آپ سے امید رکھتا ہوں کہ آپ ماہِ صیام کا بھی احترام کریں گے اور صیام کا بھی، ماہِ صیام کا احترام یہ ہے کہ اس میں روزے رکھے جائیں، اور صیام کا احترام یہ ہے کہ قلب و نظر، چشم و گوش، زبان و دہن کی حفاظت کی جائے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق بخشے (آمین)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں ؎

روزہ بر جوع و عطش شبخوں زند
خیبر تن پروری را بشکند

روزہ بھوک اور پیاس پر شبخون مارتا ہے، تن پروری اور تن آسانی کے قلعہ کو توڑ دیتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تقریر ہیژدہم ۱۸

(۳)

حجِ بیتُ اللہ

برادرانِ اسلام! آیئے ذرا دیر کیلئے جذب و مستی، شوق و سرمستی کی باتیں کریں، حرمین شریفین یعنی مکہ و مدینہ اہلِ ظاہر اور اہلِ باطن دونوں کا قبلہ ہیں، یہ وہ دیارِ حبیب ہے جس کے سب دیوانے ہیں، یہ وہ قبلہ گاہ ہے جس کی طرف سب کے دل کھنچتے ہیں، یہ وہ شمع ہے جس کے سب پروانے ہیں، پوری دنیا میں جو بیتابی اس سرزمین مقدس کیلئے ہے کسی دوسرے قطعۂ ارض کیلئے نہیں ہے، زائرین کے قدم حرمین کیلئے بڑھتے نہیں ہیں، بلکہ حرمین شریفین زائرین کے جیب و داماں کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچتے ہیں، وہاں کے مقناطیسی اثرات کا تعلق ہمارے ارادہ و اختیار سے نہیں ہے، وہاں کی کشش پر قابو پانا ہمارے بس سے باہر ہے، ہم ایسا محسوس کرتے ہیں جیسے ہم بے اختیارانہ اس کی طرف کھنچے چلے جارہے ہیں ؎

نہ میں دیوانہ ہوں اصغر نہ مجھ کو ذوقِ عریانی
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے خود جیب و گریباں کو

حضرات! یہ عجیب وغریب عبادت ہے، مالی بھی ہے اور بدنی بھی جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی، اس میں ہجرت بھی ہے اور جہاد بھی طواف بھی ہے اور قربانی بھی، تلبیہ اور توحید کا ترانہ بھی ہے، اور دعا کی آہ وزاری بھی۔

یہ حج کی جامعیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو افضل الاعمال فرمایا ہے، حدیث شریف میں ہے "قِیلَ اَیُّ الأَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ اَلاِیْمَانُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ، قِیلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ الجِھَادُ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ، قِیلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اعمال میں کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا، دریافت کیا گیا پھر کونسا؟ فرمایا: راہِ خدا میں جہاد کرنا دریافت کیا گیا پھر کونسا؟ فرمایا: حج مقبول۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں "والمقصودُ ھٰھُنَا بَیَانُ الفَضْلِ باعتبارِ تنویہِ دینِ اللّٰہِ وَظُھُورِ شَعَائِرِ اللّٰہِ وَلَیْسَ بِھٰذَا الاِعْتِبَارِ بَعْدَ الاِیْمَانِ کَالحَجِّ وَالجِھَادِ" (حجۃ اللہ البالغۃ) اس حدیث کا مقصود یہ ہے کہ اللہ کے دین اور اسکے شرائع کی عظمت کا اظہار کس عمل سے زیادہ ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایمان کے بعد سب سے زیادہ دین کی سربلندی جہاد کے ذریعہ ہوتی ہے، اور اسکے بعد حج کے ذریعہ، ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے "مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ" جس نے اللہ کیلئے حج کیا اور دوران حج اسکی عظمت کو پوری طرح ملحوظ رکھا، نہ بیہودگی کی اور نہ گناہ کیا تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو کر لوٹتا ہے، جیسا کہ اس وقت پاک تھا جب

اسکی ماں نے اسکو جنا تھا، ایک جگہ ارشاد ہے "العُمرَۃُ اِلی العُمرَۃِ کَفّارَۃٌ لِمَا بَینَھُمَا وَالحَجُّ المَبرُورُ لَیسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلاّ الجَنّۃَ" ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک جو گناہ ہوتے ہیں، دوسرا عمرہ ان سب کیلئے کفارہ ہے، اور حج مقبول کا بدلہ جنت ہی ہے۔

عزیزان گرامی! اگر آپ کو اپنا دین وایمان عزیز ہے، اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا خاتمہ خیر پر اور دین اسلام پر ہو تو ایک نصیحت یاد رکھئے! کہ جب حج فرض ہو جائے تو اس میں تاخیر ہرگز ہرگز نہ کیجئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مَنْ اَرَادَ الحَجَّ فَلیُعَجِّلْ" جس کا ارادہ حج کرنے کا ہو اسے چاہئے کہ وہ فوراً حج کرے۔

عزیزو! تاخیر کرنے میں بڑا خطرہ ہے، فرض کیجئے کہ آپ نے تاخیر کی اور حج کرنے سے پہلے خدانخواستہ آپکو موت آگئی ایسے شخص کے بارے میں رحمۃ للعالمین نے ایسا سخت جملہ استعمال کیا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں "عَن اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ یَمنَعْہُ مِنَ الحَجِّ حَاجَۃٌ ظَاھِرَۃٌ اَوْ سُلطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمْ یَحُجَّ فَلْیَمُتْ اِنْ شَاءَ یَھُودِیًّا وَاِنْ شَاءَ نَصرَانِیًّا" (رواہ الدارمی) حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کیلئے حج سے کوئی رکاوٹ نہ ہو، یعنی ضرورت سے زائد حج کے مصارف اسکے پاس موجود ہوں، اور حج سے روکنے کیلئے کوئی ظالم حکومت حائل نہ ہو، اور نہ کوئی ایسی بیماری ہو جس سے مقید ہو کر رہ جائے، اس صورت حال میں اگر کوئی حج کئے بغیر مر جائے تو اسے چاہئے کہ وہ چاہے یہودی ہو کر

مرے، چاہے نصرانی ہو کر مرے، یعنی ایسے شخص کے مرنے اور یہودی اور نصرانی کے مرنے میں کوئی فرق نہیں، اس طرح کی موت اور نصرانیت اور یہودیت کی موت یکساں ہے۔

خدا کی پناہ حج میں ٹال مٹول کرنے سے خاتمہ ہی خراب ہو گیا، ایسی صریح احادیث کے بعد بھی آنکھیں نہ کھلیں اور دل نہ پسیجیں تو انکو انسان نہیں پتھر کا مجسمہ کہنا چاہئے، حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں "تَرْكُ رُكْنٍ مِنْ اَرْكَانِ الْاِسْلَامِ يُشْبِهُ بِالْخُرُوْجِ عَنِ الْمِلَّةِ وَاِنَّمَا شُبِّهَ تَارِكُ الْحَجِّ بِالْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَتَارِكُ الصَّلٰوةِ بِالْمُشْرِكِ، لِاَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُصَلُّوْنَ وَلَا يَحُجُّوْنَ، وَمُشْرِكُوْا الْعَرَبِ يَحُجُّوْنَ وَلَا يُصَلُّوْنَ (حجۃ اللہ البالغۃ)

ارکانِ اسلام میں سے کسی رکن کو ترک کرنا، مذہب سے نکل جانے کے ہم معنی ہے، حدیث شریف میں تارک حج کو یہودی اور نصرانی سے مشابہ قرار دیا گیا اور تارک صلوٰۃ کو مشرک سے مشابہ ٹھہرایا گیا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور نصرانی نماز تو پڑھتے ہیں لیکن حج نہیں کرتے اور مشرکین عرب حج کرتے تھے لیکن نماز نہیں پڑھتے تھے اب امیر اور دولتمند لوگ خود فیصلہ کریں کہ انھیں مسلمان ہو کر مرنا ہے یا یہودی اور نصرانی ہو کر۔

حج کیا ہے؟ اللہ کیلئے وطن اور اہل و عیال سے ہجرت کر جانا، بیت اللہ اور دیگر شعائر اسلام کی تعظیم کرنا، حج حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علی نبینا و علیہم السلام کی سنت کو زندہ کرنا اور ان کی یاد منانا ہے، حج پوری دنیا کے مسلمانوں کا منیٰ اور عرفات کے میدان میں اکٹھا ہونا ہے حج نام ہے احرام باندھ کر عاشقانہ زندگی گذارنے کا، حج نام ہے تلبیہ دعا اور الحاح و زاری کا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حال یہ تھا کہ جہاں اللہ تعالیٰ کا جلوہ دکھائی دیا، وہیں قلب و نظر کا دامن بچھا دیا ۔

جہاں ان کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں

ان کا نہ کوئی وطن تھا نہ کوئی مسکن، جہاں تجلیات ربانی تھیں وہیں انکا مسکن تھا، ان کے نزدیک عزیز ترین شہر وہ تھا، جس میں حسن ازل کی کوئی خصوصی جلوہ گاہ تھی جیسا کہ عارف رومیؒ نے لکھا ہے ۔

گفت معشوقے بعاشق کاے فتی ؛ تو بغربت دیدہ ای بس شہرہا
پس کدامیں شہر زانہا خوشتر ست ؛ گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست

ایک معشوق نے اپنے عاشق سے دریافت کیا کہ اے جوانمرد تونے اپنی سیر و سیاحت کے دوران بہت سے شہر دیکھے ہیں تو ان میں کونسا شہر سب سے اچھا ہے ؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ شہر جس میں محبوب بستا ہے شریعت کے رازداں محقق دوراں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ رقمطراز ہیں " وَالسِّرُّ فِی الوقوفِ بعَرَفَۃَ اَنَّ اجتماعَ المُسْلِمِیْنَ فِی زَمَانٍ واحِدٍ ومَکَانٍ وَاحِدٍ رَاغِبِیْنَ فِی رَحْمَۃِ اللہِ تعَالیٰ دَاعِیْنَ لَہٗ مُتَضَرِّعِیْنَ اِلَیْہِ لَہٗ تَاثِیْرٌ عَظِیْمٌ فِی نُزُوْلِ الْبَرَکَاتِ وَانتِشَارِ الرُّوْحَانِیَۃِ وَلِذالِکَ کَانَ الشَّیْطَانُ یَوْمَئِذٍ اَدْحَرَ وَاَحْقَرَ مَا یَکُوْنُ وَاَیْضًا فَاجتِمَاعُھُمْ ذَالِکَ تَحْقِیْقٌ لِمَعْنَی العرصۃِ وخُصُوْصُ ھٰذا الیَوم وھٰذا المَکَانِ مُتَوَارَثٌ عَنِ الأَنْبِیَاءِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ عَلیٰ مَا یُذْکَرُ فِی الأَخْبَارِ عَنْ اٰدَمَ فَمَنْ بَعْدَہٗ (حُجّۃ اللہ البالغۃ) میدان عرفات میں تمام حجاج بیک وقت جمع ہوتے ہیں، اس میں حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کا وقت واحد اور مکان واحد میں

اس طرح جمع ہونا کہ سب اللہ کی رحمت کی آس لگائے ہوئے ہوں، سب مل کر اسکو پکار رہے ہوں، سب اسکے سامنے گڑگڑا رہے ہوں، اسمیں بڑی تاثیر ہے، اس سے برکتیں نازل ہوتی ہیں اور روحانیت پھیلتی ہے، یہی وجہ ہے کہ شیطان اس دن سب سے زیادہ ذلیل وخوار ہوتا ہے، نیز یہ اجتماع باہم ایک دوسرے کے تعارف اور تبادلۂ خیالات کا ذریعہ ہے اور اس دن اور اس جگہ کی تعیین حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد کے تمام انبیاء سے چلی آرہی ہے، جیسا کہ احادیث واخبار میں مذکور ہے۔

حضرات! میدان عرفات کے روح پرور اجتماع کی شیطان کے دل پر ایسی چوٹ لگتی ہے کہ حجاج کے اس اجتماع کے مقابلے میں اس کو اپنے تمام مفسدانہ کارنامے ہیچ معلوم ہوتے ہیں، اور وہ پانی پانی ہوجاتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے " مَارُئِیَ الشَّیطَانُ یَوماً ھُوَ فِیهِ اَصغَرُ وَلَا اَدحَرُ وَلَا اَحقَرُ وَلَا اَغیَظُ مِنهُ فِی یَومِ عَرفَةَ وَمَا ذَاكَ اِلَّا لِمَا یَرٰی مِن تَنَزُّلِ الرَّحمَةِ وَتَجَاوُزِ اللهِ عَنِ الذُّنُوبِ العِظَامِ اِلَّا مَارُئِیَ یَومَ بَدرٍ، فَقِیلَ مَا رُئِیَ یَومَ بَدرٍ؟ قَالَ فَاِنَّهُ قَد رَاٰی جِبرَئِیلَ یَزَعُ المَلَائِکَةَ" عرفہ کے دن شیطان جسقدر ذلیل، راندہ ہوا، حقیر اور غضبناک نظر آتا ہے، اتنا کبھی نظر نہیں آتا، اور وہ اسلئے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہورہی ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں سے درگذر کر رہا ہے، ہاں بدر کے دن اس سے بھی زیادہ ذلیل اور غضبناک دکھائی دے رہا تھا، عرض کیا گیا کہ بدر کے دن اس نے کیا دیکھا تھا؟ فرمایا اس دن اس نے یہ دیکھا کہ جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی صفوں کو ترتیب دے رہے ہیں۔

حضرات! خانۂ کعبہ وہ مقام ہے جو اہلِ معرفت کے نزدیک عرشِ الٰہی کا کا سایہ اور اللہ کی رحمتوں کا سمت القدم ہے وہ روزِ اوّل سے اس دنیا میں خدا کا معبد اور خدا پرستی کا مرکز تھا، سب بڑے بڑے پیغمبروں نے اسکی زیارت کی اور بیت المقدس سے پہلے اسکو اپنی عبادتوں کی سمت قرار دیا "اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ" الآیۃ، سب سے پہلا خدا کا گھر جو لوگوں کیلئے بنایا گیا وہ وہی تھا ؎

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا
ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے دنیا نے اپنی گمراہیوں میں اسکو بھلا کر بے نشان کر دیا تھا، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اس ظلمت کدہ میں توحید کا چراغ پھر روشن کیا تو حکم ہوا کہ اس گھر کی چہار دیواری بلند کر کے دنیا میں توحید کا پتھر پھر نصب کیا جائے۔ چنانچہ قرآن پاک کے بیان کے مطابق کعبہ حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں بھی "اَلْبَیْتُ الْعَتِیْقُ" پرانا گھر تھا کوئی نیا گھر نہ تھا، حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے مل کر اس گھر کی پرانی بنیادوں کو ڈھونڈ کر پھر نئے سرے سے ان پر چہار دیواری کھڑی کی، فرمایا: "وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ" ابراہیم جب اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے، معلوم ہوا کہ بنیاد پہلے سے پڑی ہوئی تھی، حضرت ابراہیم و حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے اس افتادہ بنیاد کو از سرِ نو بلند کیا، حضرت ابراہیم نے عراق، شام، مصر ہر جگہ پھر کر آخر اسی گمنام گوشہ کو منتخب کیا، جو باسطوت جباروں اور بت پرستوں اور ستارہ پرست قوموں کے حدود سے دور ایک بے نام و نشان صحرا میں چاروں طرف

پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا ۔

حضارِ محفل! حج ابراہیمی یادگار ہے، حج خدا کی رحمتوں اور برکتوں کے مورد خاص میں حاضری ہے، حج حضرت ابراہیم کی طرح خدا کی دعوت پر لبیک کہنا اور قربانی کی روح کو زندہ کرنا ہے، حجاج اپنے آپکو حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح خدا کے حضور میں نذر کرنے جاتے ہیں، اسلئے تن بسلے اور سادہ کپڑے پہنتے ہیں، سر کے بال نہ منڈواتے نہ ترشواتے ہیں، دنیا کے عیش ونشاط اور تکلف کی زندگی سے پرہیز کرتے ہیں، نہ خوشبو لگاتے ہیں، نہ رنگین کپڑے پہنتے ہیں، نہ سر چھپاتے ہیں اسی والہانہ انداز سے جس طرح حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل تین دن کے سفر کے گرد وغبار میں اٹے ہوئے اور دوڑتے ہوئے خدا کے گھر میں آئے تھے، آتے ہیں، اور جسطرح حضرت ابراہیمؑ نے خدا کی پکار پر لبیک کہا تھا، وہی تین ہزار برس پہلے کا ترانہ ان کی زبانوں پر ہوتا ہے "لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ" میں حاضر ہوں، اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، سب خوبیاں اور سب نعمتیں تیری ہی ہیں، اور سلطنت تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں، یہ خدمت کی آمادگی کا ترانہ، اور یہ توحید کی صدا ان تمام مقامات میں بلند کرتے پھرتے ہیں، جہاں جہاں ان دونوں بزرگوں کے نقشِ قدم پڑے تھے، چونکہ حجاج خود کو روحانی طور سے خدا کی قربان گاہ پر نذر کرنے چلتے ہیں اس لئے بیت اللہ کے چاروں طرف سات چکر لگاتے ہیں، اسمیں بیت اللہ کی تعظیم بھی ہے، اور خود کو قربان کرنیکی تصدیق بھی ہے پھر حضرت ابراہیمؑ چونکہ صفا سے مروہ تک دوڑ کر گئے تھے کہ مروہ پہونچکر

بیٹے کی قربانی کریں گے، وہاں ہم دوڑتے ہیں اور دعا کرتے ہیں، اور
گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں، اور عرفات کے سب سے بڑے میدان میں جمع ہوکر
اپنی گذشتہ عمر کے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی چاہتے ہیں، خدا کے حضور
میں گڑگڑاتے ہیں، روتے ہیں قصور معاف کراتے ہیں، اور آئندہ زندگی
کیلئے خدا کے ہاتھ پر اسکی اطاعت و بندگی کا نیا عہد و پیمان باندھتے ہیں
اور یہی درحقیقت حج کا اصلی رکن ہے۔

برادران ملت! عرفات کا یہ تاریخی میدان، اس تاریخی عہد کی یاد، ان
بزرگوں کے نقش قدم، اور انکی دعا کے مقامات اور تجلیات ربانی کے
مناظر، دور دراز کے سفر اور ہر قسم کے محنت کے بعد عمر میں صرف ایک دفعہ
اس مقام پر آسکنے کا موقع، اور لاکھوں بندگان خدا کا ایک ہی وحدت کے
رنگ میں، ایک ہی لباس اور ایک ہی حالت اور جذبے میں سرشار
ایک بے آب و گیاہ اور جلے ہوئے پہاڑوں کے دامن میں اکٹھے ہوکر
دعاء مغفرت کی پکار، گذشتہ عمر کی کوتاہیوں اور بربادیوں کا ماتم، اپنی
سیہ کاریوں کا اقرار، اور پھر اس احساس کے ساتھ کہ یہی وہ مقام ہے
جہاں حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر حضرت محمد رسول اللہ تک بہت سے
انبیاء اسی حالت اور اسی صورت میں اور یہیں پر کھڑے ہوئے تھے، ایسا
روحانی منظر، ایسا کیف، ایسا اثر، ایسا گداز اور ایسی تاثیر پیدا کرتا ہے
جسکی لذت تمام عمر فراموش نہیں ہوتی۔

طواف خانۂ کعبہ اور چاروں طرف گھوم کر دعائیں مانگنا، اس رسم کو
ادا کرنا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں نذر اور قربانی کو
قربان گاہ کے چاروں طرف پھرا کر ادا کی جاتی تھی، چنانچہ حاجی اپنے آپکو

قربان گاہ پر چڑھاتا ہے' اس لئے وہ اسکے چاروں طرف پھرتا ہے، طواف حقیقت میں ایک قسم کی ابراہیمی نماز ہے، جو اس پرانے عہد کی یادگار ہے۔

حجراسود کا بوسہ لینا یا اسکی طرف اشارہ کرنا بھی عجیب وغریب کیفیات کا باعث ہے، حجراسود دیکھنے کیلئے تو ایک پتھر ہے مگر ایک مشتاق زیارت کی نگاہ میں اس تخیل کے ساتھ وہ بہت بڑی چیز ہے کہ تمام دنیا بدل گئی، شہر مکہ کا ذرّہ ذرّہ بدل گیا، کعبہ کی ایک ایک اینٹ بدل گئی مگر یہ وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے لیکر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے مقدس لب یا مبارک ہاتھ پڑے ہیں' اور پھر تمام خلفاء راشدین صحابۂ کرام، ائمۂ عظام، اکابر اسلام اور حکماء عظام کے ہاتھوں نے اسکو مس کیا ہے' اور آج ہمارے گنہگار لب اور ہاتھ بھی اسکو مس کر رہے ہیں یہ تصوّر ہمارے دلوں اور آنکھوں میں تاثیر اور کیفیت کی ایک عجیب لہر پیدا کر دیتا ہے' اور اس کے باوجود ہم مسلمان یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک پتھر ہے جسمیں کوئی قدرت نہیں' اور جیسا کہ بادۂ توحید کے ایک ہشیار متوالے نے اسکو چوم کر کہا "إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ مَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ" (بخاری ومسلم) اے کالے پتھر میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک معمولی پتھر ہے' نہ تو نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، لیکن میں اسلئے تجھے بوسہ دیتا ہوں کہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے دیکھا ہے' الغرض یہ بوسہ تعظیم کا نہیں بلکہ اس محبت کا نتیجہ ہے جو اس یادگار کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ واسمٰعیلؑ کی روحانی اولاد کو ہے' ورنہ اگر کوئی نہ اسکو چھوئے نہ بوسہ دے

اور نہ اشارہ کرے تو اس سے اس کے ادائے حج میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔

حاضرین کرام! خانہ کعبہ وہ منبع ہے جہاں سے حق پرستی کا چشمہ ابلا یہ علم و معرفت کا وہ مطلع ہے جس کی کرنوں نے زمین کے ذرّہ ذرّہ کو درخشاں کیا، یہ وہ جغرافیائی شیرازہ ہے جس میں ملّت کے تمام افراد بندھے ہوئے ہیں جو مختلف ملکوں میں بستے ہیں، مختلف زبانیں بولتے ہیں، مختلف تہذیبوں میں زندگی بسر کرتے ہیں، مگر وہ سب کے سب ان طبعی اختلافات کے باوجود ایک ہی خانۂ کعبہ کے گرد چکّر لگاتے ہیں اور ایک ہی قبلہ کو اپنا مرکز سمجھتے ہیں، یہاں انسانوں کی بنائی ہوئی تمام زنجیریں اور بیڑیاں کٹ جاتی ہیں، اور تھوڑے دن کیلئے عرصۂ حج میں تمام قومیں ایک ملک میں، ایک لباس میں، ایک وضع میں دوش بدوش ایک قوم بلکہ ایک خانوادہ کی برادری بن کر کھڑی ہوتی ہیں اور ایک ہی بولی میں خدا سے باتیں کرتی ہیں، یہی وحدت کا وہ رنگ ہے جو مادّی امتیازات کو مٹا دیتا ہے۔

سامعین عظام! اسلامی تاریخ کا ایک ایک حرف اسی عرب اور حرم پاک کے ذرّے ذرّے سے مرتّب ہوا ہے، آدمؑ سے لیکر ابراہیمؑ تک اور ابراہیمؑ سے لیکر محمّد رسول اللہؐ تک جو کچھ ہوا ہے، اس کا تمامتر تعلق حرم کے کوہ و صحرا اور در و دیوار سے ہے، یہیں حضرت آدمؑ نے سکونت کی، اور عرش کے سائے میں خدا کا گھر بنایا، یہیں حواؑ نے آکر ان سے ملاقات کی، یہیں نوحؑ کی کشتی نے آکر دم لیا، حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ نے یہاں پناہ لی، محمّد رسول اللہؐ نے یہیں ولادت پائی، یہیں

وہ پہاڑی ہے یعنی کوہ صفا جہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ اپنے گدھے چھوڑ کر اترے، یہیں وہ دوسری پہاڑی مروہ ہے جہاں باپ نے بیٹے کی قربانی کرنی چاہی، یہیں وہ چشمہ زمزم ہے جو حضرت ہاجرہ کو پیاس کے عالم میں نظر آیا، یہیں وہ گلیاں اور راستے ہیں جو جبریل امین کی گذرگاہ تھے، یہیں وہ غار حراء ہے جس سے قرآن کی پہلی کرن پھوٹی تھی، یہی وہ صحن حرم ہے جسمیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترپن برس بسر کئے، اور یہی وہ مقام ہے جہاں براق کے قدم پڑے تھے، کیا قرآن کا اشارہ انھیں مناظر کی طرف نہیں؟ "فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ" اس حرم میں کھلے کھلے ربانی نشانات ہیں، ابراہیمؑ کے قیام کی جگہ، ان مقامات میں جب کسی زائر کا قدم پہنچتا ہے تو اسکے ادب کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں، اسکی عقیدت کا سر جھک جاتا ہے، اس کے ایمان کا خون جوش مارنے لگتا ہے، اس کے جذبات کا سمندر متلاطم ہو جاتا ہے، جگہ جگہ اس کی پیشانی زمین سے لگتی جاتی ہے اور محبت کی روح اسکی رگ رگ اور ریشے ریشے میں تڑپنے لگتی ہے، آنکھیں اشکبار ہوتی اور زبان تسبیح وتہلیل میں مصروف ہو جاتی ہے، یہی وہ لذت اور لطف ہے جو ایمان کو تازہ، عقیدت کو مضبوط اور شعائر اللہ کی محبت کو زندہ کرتا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

مومناں را فطرت افروزست حج ؛ ہجرت آموز و وطن سوزست حج

طاعتے سرمایۂ جمعیتے ...... ! ربط اوراق کتاب ملتے

حج سے اہل ایمان کی فطرت چمک اٹھتی ہے، حج ہجرت کا درس دیتا ہے اور وطنیت کے بت کو جلاکر خاک کر دیتا ہے، حج ایسی عبادت

ہے جو ہماری اجتماعیت کا سرمایہ ہے، اس سے کتابِ ملت کے منتشر اوراق ایک دھاگے میں بندھ جاتے ہیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

تقریر نوزدہم ۱۹

عیدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۝

عَنْ انسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ المَدِیْنَۃَ وَلَھُمْ یَوْمَانِ یَلْعَبُوْنَ فِیْھِمَا، فَقَالَ مَا ھٰذَانِ الیَوْمَانِ قَالُوا: کُنَّا نَلْعَبُ فِیْھِمَا فِی الجَاھِلِیَّۃِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبْدَلَکُمُ اللّٰہُ بِھِمَا خَیْراً مِنْھُمَا یَوْمَ الاَضْحیٰ وَیَوْمَ الفِطْرِ (ابوداؤد) حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے، اور مدینہ والوں کے دو دن تھے جنہیں وہ کھیلتے تھے اور خوشیاں مناتے تھے، تو حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جاہلیت میں ہم ان دو دنوں میں کھیلتے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دو دنوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دئے ہیں، عید قرباں کا دن اور عید الفطر کا دن۔

برادرانِ اسلام! آج عید الفطر ہے، سب سے پہلے میں آپکو اپنے دل کی گہرائیوں سے عید کی مبارکباد دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں میرے پاکیزہ جذبات اور میری نیک تمناؤں کو قبول فرمائے۔

حضرات! یہ سنہرا موقع ہے کہ علاقے کی امت مسلمہ ایک میدان میں جمع ہے، اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے جانے دینا ناشکری ہے، آیئے! آج کچھ ضروری باتیں کریں ؎

امیرؔ جمع ہیں احباب حالِ دل کہہ لے
پھر التفات دلِ دوستاں رہے نہ رہے

ہزاروں کے اس مجمع میں اگر اللہ کے دس بندوں کے دل میں میری بات اتر جاتی ہے تو میں کامیاب ہوں، اور حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی کو بھی راہ سنت مل جائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

؎ اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومنؔ
آخر اس بزم میں کوئی تو سخنداں ہوگا

بزرگو اور بھائیو! آج خوشی کا دن ہے، آیئے آج کی محفل میں یہ سمجھنے کی کوشش کریں کہ خوشی کس چیز کی ہے؟ اور اسکو کس طرح منایا گیا ہے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ خوشی یہ ہے کہ ہم اور ہمارے اہل وعیال پورے سال بعافیت رہے، یہاں تک کہ ہم نے دوسرے سال میں قدم رکھدیا تو آپ یہ کہہ سکتے ہیں اور کسی حد تک آپ کا یہ کہنا بجا بھی ہے خود عید کے لفظ میں عَوْد یعنی واپسی کے معنیٰ رکھے ہوئے ہیں یعنی سابقہ حالات، سابقہ خیریت، سابقہ عافیت واپس آئی، اسلئے ہم خوش ہیں

کہ ہم نے کچھ کھویا نہیں بلکہ یہاں کسی خسارہ کا منہ نہیں دیکھنا پڑا۔
عزیزان گرامی! خوشی کی بہت سی وجہوں میں سے ایک یہ بھی ہو سکتی ہے، لیکن خوشی کی اصل وجہ یہ نہیں ہے، خوشی کی اصل وجہ کا پتہ چلانے کیلئے آپکو اس پر غور کرنا پڑے گا، کہ رمضان کے فوراً بعد یہ خوشی کیوں رکھی گئی، دراصل اس خوشی کا راز ماہِ صیام یعنی رمضان میں پنہاں ہے خوشی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے مہینہ بھر کے روزے رکھے، اور پھر ہم کو غریبوں کی مدد کرنے کی توفیق بخشی گئی، یعنی ہم نے صدقۂ فطر ادا کیا، مہینہ بھر کے روزے اور غریبوں کی امداد یہ گویا فتح ہے انسانیت اور سخاوت کی حیوانیت اور حبِّ مال پر، یہ اس کا اعلان ہے کہ ہم خواہشات کے اسیر اور حبِّ مال کے قیدی نہیں ہیں، بلکہ ہم احرار اور آزاد ہیں، ہم نے خواہشات اور حبِّ دولت کی بیڑیاں کاٹ کر آزادی حاصل کر لی ہے، حیوانی تقاضوں اور خواہشات کو کھلی چھوٹ دے دینا، ان کے سیلاب میں بہتے چلے جانا انسانیت کا زیاں ہی نہیں اسکا ضیاع ہے، جب انسان خواہشات کا اسیر ہو جاتا ہے، جب وہ مال و دولت کی محبت کے دام میں پھنس جاتا ہے، تو اپنی آزادی کھو بیٹھتا ہے، اس وقت وہ ایک مشین بن جاتا ہے جسے خواہشات چلاتی ہیں، اس وقت اس کی مثال ایک لایعقل حیوان کی سی ہوتی ہے، جسکے پاس قلب و ضمیر نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، روزہ جسکو ضبطِ نفس کہئے اس سے فضیلت انسانی اجاگر ہوتی ہے، اس سے انسان کی مادیات پر فتحیابی کا اظہار ہوتا ہے، اس سے انسان حیوانیت کی سطح سے اوپر آتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بااختیار، باارادہ اور ز

دام و دانہ سے آزاد مخلوق ہے۔

حضارِ محفل! آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اس اباحیت اور لا پرواہی کے دور میں ان انسانوں کی کتنی ضرورت ہے جو اپنے نفس پر قابو یاب ہیں، جو ضبطِ نفس کے زیور سے آراستہ ہیں، ہمکو یہ ہرگز نہ بھولنا چاہیئے کہ خواہشات کی رو میں بہنے اور انکے تابع فرمان ہونے سے، ہم دورِ وحشت کی طرف لوٹ جاتے ہیں، ہم لاقانونیت کی طرف بڑھتے دکھائی دیتے ہیں، اباحیت اور لاقانونیت، تمدن و ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، بے مہار انسانوں کے ازدہام سے کسی تمدن یا ترقی کا تصور نہیں کیا جا سکتا، آپ خود فیصلہ کیجئے کہ کیا یہ آزادی ہے؟ کہ ہماری لگام خواہشات کے ہاتھ میں ہو اور خواہشات ہماری قیادت کریں، یا آزادی یہ ہے کہ خواہشات کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہو، خواہشات کی ہم قیادت کریں، ہم اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنی عقل و خرد کی روشنی میں خواہشات کی حدود مقرر کریں، میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ امت مسلمہ اور عالمِ اسلام جس دن اپنی خواہشات سے آزادی حاصل کرلیں گے، جس دن اپنے ارادے کے وہ خود مالک ہونگے اسی دن وہ آزاد و احرار کہلانے کے مستحق ہوں گے، اور وہی دن ان کی تاریخ کا مبارک دن ہوگا۔

ماہ صیام کے ساتھ عید الفطر کی خوشی کتنی معنویت رکھتی ہے، ہم اسکی خوشی منارہے ہیں کہ مسلسل ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ نے ہمارے ارادوں کو قوت بخشی، ہم خواہشات پر فتحیاب ہوئے، ہم نے اپنے خالق و مالک کا شکریہ ادا کیا، ہمیں راتوں کو اسکے حضور میں کھڑے ہونے اور اس سے

مناجات کرنے کی توفیق نصیب ہوئی ۔

عید الفطر کیا ہے ؟ انسانیت کی حیوانیت پر فتحیابی کا جشن ہے، عید الفطر کیا ہے ؟ ضمیر کی آزادی اور اسکی بالادستی کی خوشی ہے، عید الفطر کیا ہے ؟ روحانیت کا مادیت پر غلبہ اور اس کی شادمانی ہے، اگر آپنے پورے مہینے روزے رکھے ہیں، اگر آپ نے تراویح پڑھی ہے، اگر آپ نے ایک مہینہ تک ملکوتی زندگی بسر کی ہے تو آپکو خوشی منانے کا حق ہے، خوب کھائیے پیجئے، احباب واقرباء سے ملئے اور انکو کھلائیے اور پلائیے اور مسرت وشادمانی کا نغمہ گنگنائیے ؎

ساقیا عید ہے لا بادہ سے مینا بھر کے
کہ مے آشام پیاسے ہیں مہینہ بھر کے

اور اگر تم نے رمضان کی حرمت کو پامال کیا اور پورے ماہ بہیمانہ زندگی بسر کی تو تم کو خوشی منانے کا کوئی حق نہیں ہے، اسی لئے اسلاف نے کہا ہے "لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ لَبِسَ الْجَدِيْدُ، إِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ اٰمِنَ مِنَ الْوَعِيْدِ" عید اسکے لئے نہیں ہے جس نے نئے کپڑے پہنے، عید اس کیلئے ہے جو دوزخ سے امن میں ہو، یعنی برے کاموں سے باز رہے تاکہ رحمت اور مغفرت کے لائق ہو، اور عذاب سے محفوظ ہو، "لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ تَبَخَّرَ بِالْعُوْدِ إِنَّمَا الْعِيْدُ لِلتَّائِبِ الَّذِیْ لَا يَعُوْدُ" عید اس کیلئے نہیں جو عود سلگا کر خوشبو کرے، عید اس کیلئے ہے جو گناہوں سے ایسی توبہ کرے کہ پھر گناہ کی طرف نہ لوٹے "لَيْسَ الْعِيْدُ لِمَنْ تَزَيَّنَ بِزِيْنَةِ الدُّنْيَا، إِنَّمَا الْعِيْدُ لِمَنْ تَزَوَّدَ بِزَادِ التَّقْوٰی" عید اس کیلئے نہیں ہے جس نے دنیاوی آرائش کا ساز و سامان کیا، عید اس کیلئے ہے جس نے آخرت کیلئے

زادِ راہ لی، یعنی تقویٰ اختیار کیا، "لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ رَکِبَ الْمَطَایَا اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ تَرَکَ الْخَطَایَا" عید اس کیلئے نہیں جو سواریوں پر سوار ہوا، بیعد اس کیلئے ہے جس نے گناہ چھوڑے "لَیْسَ الْعِیْدُ لِمَنْ بَسَطَ الْبِسَاطَ اِنَّمَا الْعِیْدُ لِمَنْ جَاوَزَ الصِّرَاطَ" عید اس کیلئے نہیں ہے جس نے فرش بچھایا، عید اس کیلئے ہے جو پلصراط سے پار ہو گیا۔

حاضرین کرام! ایک سوال کا جواب تو ہو چکا کہ عید الفطر کی خوشی کس وجہ سے ہے؟ آیئے اب دوسرے سوال کو حل کریں کہ اس خوشی کو کس طرح منایا گیا ہے؟ شریعت نے ہمکو حکم دیا کہ پورے علاقے کے مسلمان بستی سے باہر ایک میدان میں ایک ہی چہار دیواری کے اندر جمع ہوں، اور ایک ہی امام کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کریں، گویا، عید کی خوشی اس طرح منائیں کہ اجتماعی طور پر عبادت کریں، یہاں اجتماعیت کا اسقدر لحاظ رکھا گیا کہ کسی کو اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ عیدین کی نماز محلہ یا شہر کی مسجد میں پڑھ لے، ہاں بیماروں اور کمزوروں کیلئے جو عیدگاہ تک نہیں پہونچ سکتے یہ انتظام کیا گیا کہ شہر میں کسی ایک مسجد میں ایک صاحب انکو نماز پڑھا دیں، عیدگاہ میں نماز پڑھنے کے اہتمام کا یہ عالم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی جسمیں ایک سجدہ پچاس ہزار سجدوں کے برابر ہے اسکے بجائے عیدگاہ میں نماز ادا فرمائی۔

برادرانِ ملت! اجتماعیت عیدین کی خوشی کا جزء اعظم ہے شریعت یہ چاہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ عیدگاہ میں جمع ہوں، وہ ایک راستہ سے آئیں اور دوسرے راستہ سے جائیں، تاکہ دین کی عظمت

اور اسکے افراد کی کثرت کا اظہار ہو اور اغیار کے دلوں پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھے، یہ اجتماعیت اخوت کا پیغام ہے، کلمہ گو بھائیوں کی زیارت، ان کی نصرت، انکی محبت اللہ تعالیٰ کی محبّت کا باعث ہے، حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "حَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَزَاوَرُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَحَابُّوْنَ مِنْ اَجْلِیْ، وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَبَاذَلُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ وَحَقَّتْ مَحَبَّتِیْ لِلَّذِیْنَ یَتَنَاصَرُوْنَ مِنْ اَجْلِیْ" (مسند احمد، مستدرک حاکم) جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں انکے لئے میری محبت طے شدہ ہے، جو لوگ میری خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں انکے لئے میری محبت طے شدہ ہے، جو لوگ میری خاطر ایکدوسرے پر مال صرف کرتے ہیں ان کیلئے میری محبت طے شدہ ہے، جو لوگ میری خاطر ایکدوسرے کی نصرت کرتے ہیں ان کیلئے میری محبّت طے شدہ ہے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک واقعہ بیان فرمایا جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص محض اس بنا پر جنّت کا مستحق ٹھہرایا گیا کہ وہ سفر کر کے ایک کلمہ گو بھائی سے ملنے گیا تھا، حدیث کے الفاظ ملاحظہ کیجئے "اِنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَہٗ فِی اللّٰہِ فَاَرْصَدَ اللّٰہُ لَہٗ مَلَکًا فَقَالَ اَیْنَ تُرِیْدُ؟ قَالَ اُرِیْدُ اَنْ اَزُوْرَ اَخِیْ فُلَانًا فَقَالَ لِحَاجَۃٍ لَکَ عِنْدَہٗ؟ قَالَ: لَا، قَالَ لِقَرَابَۃٍ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ قَالَ: لَا، قَالَ فَبِنِعْمَۃٍ لَہٗ عِنْدَکَ؟ قَالَ: لَا، قَالَ فَبِمَ؟ قَالَ اُحِبُّہٗ فِی اللّٰہِ، قَالَ: فَاِنَّ اللّٰہَ اَرْسَلَنِیْ اِلَیْکَ یُخْبِرُکَ بِاَنَّہٗ یُحِبُّکَ لِحُبِّکَ اِیَّاہُ، وَقَدْ اَوْجَبَ لَکَ الْجَنَّۃَ" ایک آدمی اپنے دینی بھائی سے ملنے جارہا تھا، راستہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو مقرر فرمادیا، اس نے دریافت کیا کہاں جارہے ہو؟ کہا اپنے فلاں بھائی سے ملنے جارہا ہوں، فرشتہ نے

دریافت کیا، اس سے تمہاری کوئی ضرورت وابستہ ہے؟ کہا نہیں، دریافت کیا، تمہاری اس سے کوئی رشتہ داری ہے؟ کہا نہیں، دریافت کیا اس کا تم پر کوئی احسان ہے؟ کہا نہیں، دریافت کیا پھر کس لئے؟ کہا مجھے اس سے اللہ واسطے کی محبت ہے، فرشتے نے کہا کہ تو مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے کیونکہ تم کو اپنے بھائی سے محبت ہے، اور اس نے تمہارے لئے جنت طے کر دی ہے ۔

اگر بھولتے ہم نہ قول پیمبر ؛ کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر رہے جبتک برادر کا یاور ؛ معین اسکا خود دے خداوند داور
تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی ؛ فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

عزیزان گرامی! آپس میں محبت پیدا کرنے کا ایک طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے، ظاہر ہے کہ وہ مجرب نسخہ ہے، اس کو صحیح طریقے سے استعمال کرنیکے بعد شفا یقینی ہے، آپ نے فرمایا :-
لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ، أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ" تم جنت میں نہیں جا سکتے جبتک مومن نہ ہو جاؤ اور تم مومن نہیں ہو سکتے جبتک ایکدوسرے سے محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتلاؤں کہ اگر وہ تم کرو تو تمہارے اندر محبت پیدا ہو، اپنے درمیان سلام کو عام کرو ۔

حضرات! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ عیدین کے خطبے میں آپ تقوی کا بھی ذکر فرماتے تھے، تقوی دل کی اس کیفیت کا نام ہے جس کے حاصل ہونیکے بعد دل کو گناہوں سے جھجک معلوم ہونے

لگتی ہے، اور نیک باتوں کی طرف اسکو بیتابانہ تڑپ ہوتی ہے، اگر تمام اسلامی تعلیمات کا خلاصہ ہم ایک لفظ میں کرنا چاہیں تو ہم اسکو تقویٰ سے ادا کر سکتے ہیں، یہاں ہر عمل کا مقصد تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے، قرآن پاک نے اپنی پہلی سطر میں اعلان کردیا ہے کہ اسکی تعلیم سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ والے ہیں "هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ" یہ کتاب تقویٰ والوں کیلئے رہنما ہے، اسلام کی ساری عبادتوں کا منشا تقویٰ کا حصول ہے "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ) اے لوگو! اپنے پروردگار کی جس نے تم کو اور تمہارے پہلوں کو پیدا کیا عبادت کرو، تاکہ تم متقی بنو، حج کا منشا بھی یہی ہے، "وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ" (حج) اور جو اللہ کے شعائر (حج کے ارکان و مقامات) کی عزت کرتا ہے، تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے، قربانی بھی اسی غرض سے ہے "لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا، وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ" (حج) خدا کے پاس قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہونچتا، لیکن تمہارا تقویٰ اسکو پہونچتا ہے۔

اسلام کا تمام اخلاقی نظام بھی اسی تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہے "وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ" (آل عمران) اور اگر صبر کرو اور تقویٰ کرو تو یہ بڑی ہمت کی بات ہے، قرآن حکیم نے جگہ جگہ یہ فرمایا ہے کہ اہلِ تقویٰ تمام اخروی نعمتوں کے مستحق ہیں، اسی طرح یہ کہ کامیابی اہل تقویٰ کیلئے ہے، نیز یہ کہ اہلِ تقویٰ اللہ کے محبوب ہیں، اہل تقویٰ معیت الٰہی سے سرفراز ہیں، اور یہ کہ قبولیت اہل تقویٰ ہی کو حاصل ہے تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ حاضر و ناظر ہونے کا یقین پیدا ہو،

تقویٰ یہ ہے کہ دل میں خیر و شر کی تمیز کی خلش اور خیر کی طرف رغبت اور شر سے نفرت پیدا ہو، تقویٰ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے جسکی بناء پر ہر کام میں خدا کے حکم کے مطابق عمل کرنے کی شدید رغبت اور اس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہوتی ہے "سید قطب شہیدؒ لکھتے ہیں :

فَذَالِكَ التَّقْوىٰ حَسَّاسِيَّةٌ فِي الضَّمِيرِ وَشَفَافِيَّةٌ فِي الشُّعُورِ وَخَشْيَةٌ مُسْتَمِرَّةٌ وَحَذَرٌ دَائِمٌ وَتَوَقٍّ لِأَشْوَاكِ الطَّرِيقِ طَرِيقِ الْحَيَاةِ الَّذِي تَتَجَاذَبُهُ أَشْوَاكُ الرَّغَائِبِ وَالشَّهَوَاتِ (فی ظلال القرآن) تقویٰ یہ ہے کہ ضمیر حسّاس ہو، اور شعور صاف و شفّاف ہو، اللہ تعالیٰ کا دائمی خوف ہو، مسلسل احتیاط ہو، اور زندگی کی راہ کے جو کانٹے ہیں یعنی نفس کی مرغوبات و خواہشات ان سے مکمل اجتناب ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ تقویٰ کیا ہے، حضرت ابی ابن کعبؓ نے جواب دیا : "أَمَا سَلَكْتَ طَرِيقًا ذَا شَوْكٍ قَالَ : بَلىٰ، قَالَ فَمَا عَمِلْتَ ؟ قَالَ : شَمَّرْتُ وَاجْتَهَدْتُ، قَالَ فَذَالِكَ التَّقْوىٰ" کیا آپ پر خار وادی میں نہیں چلے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں، حضرت ابیؓ نے دریافت کیا کہ اس وقت آپ نے کیا کیا ؟ فرمایا میں نے پوری احتیاط سے قدم رکھا، فرمایا بس یہی تقویٰ ہے۔

امام رازیؒ رقمطراز ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَكْرَمَ النَّاسِ فَلْيَتَّقِ اللهَ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَقْوَى النَّاسِ فَلْيَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ، وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ أَغْنَى النَّاسِ فَلْيَكُنْ بِمَا فِي يَدِ اللهِ

اَوْثَقَ مِمَّا فِی یَدِہٖ (تفسیر کبیر) جو یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز ہو اسے چاہئے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے اور جو یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ طاقتور ہو، تو اسے چاہیے کہ وہ توکل اختیار کرے، اور جو یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غنی اور بے نیاز ہو تو اسے چاہئے کہ جتنا بھروسہ اپنی مقبوضہ چیز پر کرتا ہے اس سے زیادہ ان نعمتوں پر بھروسہ کرنے جو اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔

پس اے لوگو اور اے ملّت کے فرزندو! تقویٰ اختیار کرو، اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبّت کے طالب ہو تو تقویٰ اختیار کرو اگر تم اللہ کے مقبول بندے بننا چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو، اگر تم فلاح اور کامیابی چاہتے ہو، تو تقویٰ اختیار کرو، اگر تم ہدایت کے طلبگار ہو تو تقویٰ اختیار کرو، اگر تم اپنا انجام بخیر چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو۔

قربانی

قربانی کیا ہے؟ اس کا جواب حدیث شریف سے لیجئے "عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ، قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، مَاھٰذِہٖ الاَضَاحِیُّ؟ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَالَنَا فِیْھَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ لِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ، قَالُوْا فَالصُّوْفُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ (مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد)

حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ قربانی کیا ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت اور انکی یادگار ہے، صحابہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! اسمیں ہمارے لئے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قربانی کے ہر بال کے عوض میں ایک نیکی ہے، صحابہ نے عرض کیا کہ اون والے جانور میں کیا ہے؟ آپنے فرمایا کہ اون کے ہر بال کے عوض میں بھی ایک نیکی ہے۔

حضرات! اس سے بھی بڑھ کر قربانی کا سبب الاسباب، اس کی اصل الاصول، اسکی حکمۃ الحکم، اسکا اصلی گر، اسکا حقیقی راز، اس کی اصلی حکمت وہ ہے جو سورۂ حج میں بیان ہوئی ہے، ارشاد ہے "وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا لِیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ" اور ہر امت کے واسطے ہم نے قربانی مقرر کی تاکہ وہ لوگ ان چوپایوں پر جو اللہ نے انکو دیئے ہیں اس کا نام یاد کریں، معلوم ہوا کہ اللہ کی نیاز کے طور پر مواشی قربان کرنا ہر دین سماوی میں عبادت قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کی اصل حکمت ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار کہ وہ اتنا عظیم ہے کہ اس پر جانیں قربان کیجارہی ہیں

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی!
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ رقمطراز ہیں "وَلَمَّا کَانَتِ الْاُضْحِیَّۃُ مِنْ بَابِ بَذْلِ الْمَالِ لِلّٰہِ تَعَالٰی وَھُوَ قَوْلُہٗ تَعَالٰی "لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ" کَانَ تَسْمِیْنُھَا وَاخْتِیَارُ الْجَیِّدِ مِنْھَا مُسْتَحَبًّا لِدَلَالَتِہٖ عَلٰی صِحَّۃِ رَغْبَتِہٖ فِی اللّٰہِ" (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۱۳۱) قربانی کی ایک حکمت اور اس کا ایک

مقصد یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے مال صرف کیا جائے، آیت قرآنی "لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاءُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ" اللہ تک قربانیوں کا نہ گوشت پہونچتا ہے اور نہ انکا خون، بلکہ وہاں تو تمہاری پارسائی پہونچتی ہے، کا مقصد یہی ہے، اسی لئے قربانی کو فربہ کرنا، اور عمدہ جانور کا انتخاب کرنا مستحب ہے، کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قربانی کرنیوالے کی رغبت الی اللہ سچی ہے اور اسکا شوق صحیح ہے۔

قبولیت حق یہ نہیں دیکھتی کہ کیا قربان کیا جارہا ہے، وہ تو یہ دیکھتی ہے کہ کس جذبہ سے قربان کیا جارہا ہے، بہ ساتی مینڈکوں کی طرح کچھ روشن خیال کبھی کبھی ٹرٹرانے لگتے ہیں کہ اس کثرت کے ساتھ جانوروں کو ذبح کرنے، اور گوشت کو ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ اتنی رقم جمع کرکے ملت مسلمہ کے رفاہی کاموں میں لگا دیجائے۔

فرزندان اسلام! اچھی طرح سمجھ لیجئے! کہ یہ شیطانی ذہنیت ہے، اس طرح کی تجاویز شعائر اسلام پر ضرب لگاتی ہیں، ان حماقت مآبوں کو معلوم نہیں ہے، کہ ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ کو سب سے پسندیدہ عمل قربانی کرنا ہے "عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ یَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ اِھْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّہُ لَیَاْتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقُرُوْنِھَا وَاَشْعَارِھَا وَاَظْلَافِھَا وَاِنَّ الدَّمَ لَیَقَعُ مِنَ اللّٰہِ بِمَکَانٍ قَبْلَ اَنْ یَّقَعَ مِنَ الْاَرْضِ فَطِیْبُوْا بِھَا نَفْسًا" (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قربانی کے دن انسان

کا کوئی عمل اللہ کے نزدیک خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے، قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگ اور اپنے بالوں اور اپنے کھروں کے ساتھ پیش ہوگا، قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے، اسلئے خوشدلی سے قربانی کیا کرو!

محترم حضرات! اسلام عبادات کا چمن ہے، چمن میں طرح طرح کے پھول ہوتے ہیں، اس میں گلاب بھی ہے اور جوہی بھی، بیلا بھی ہے اور چمیلی بھی، گیندا بھی ہے اور گل دوپہری بھی، اگر کوئی مالی یہ کہے کہ وہ چمن میں صرف گلاب رکھے گا، اور باقی پھولوں کو اکھاڑ کر پھینک دے تو اس کی حماقت میں کسی کو کوئی شک نہیں ہوگا، اس سے یہی کہا جائیگا کہ بھائی!

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اسی طرح اسلام میں طرح طرح کی عبادتیں ہیں، بدنی عبادتیں، مالی عبادتیں قولی عبادتیں، قلبی عبادتیں، اور قول وعمل، قلب وقالب اور مال سے مل کر ترکیب پانے والی عبادتیں، اور ہر عبادت کی الگ الگ تاثیر ہے جو دوسری عبادت میں نہیں ہے، اسلئے کوئی عبادت کسی عبادت کی جگہ نہیں لے سکتی آخر کوئی بات تو تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ رحمتِ عالم تھے، اپنی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے تھے، حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساٹھ جانور اپنے دستِ مبارک سے ذبح کئے، یہی نہیں بلکہ ازواجِ مطہرات کو حکم دیتے تھے کہ وہ اپنا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کریں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

نے اپنا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھری ان کے ہاتھ سے لیکر ذبح کا بقیہ کام تمام کیا۔

برادران اسلام! اگر یورپ کا کتا اپنی میڈم کو پہچانتا ہے، اگر ہندوستان کا ہاتھی اپنے فیل بان کو جانتا ہے، اگر صحرائے عرب کا اونٹ اپنے ساربان پر جان دیتا ہے تو یقیناً تمام حیوانات اپنے خالق کو پہچانتے ہیں، اور اس کے نام پر قربان ہونے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، یہ ایذا نہیں ہے، یہ حیوانات کی تعذیب نہیں ہے، یہ انکی زندگی کی معراج ہے، یہ ان کا حاصل حیات ہے ؎

سر بہ وقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

-ooo-

تقریر بستم ۲۰

ختم نبوت

اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (الاحزاب ۴۰) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں پر ختم کی مہر لگانے والے ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے،

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ، تُرِکَ مِنْہُ مَوْضِعُ لَبِنَۃٍ فَطَافَ بِہِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِہٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ، فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَۃِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ، وَفِیْ رِوَایَۃٍ، فَاَنَا اللَّبِنَۃُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری ومسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک محل ہے

اس کی دیوار عمدہ بنی ہوئی ہے لیکن اسمیں ایک اینٹ کی جگہ چھٹی ہوئی ہے تو دیکھنے والوں نے اس دیوار کا چکر لگایا اور اس دیوار کی خوبی پر تعجب کرنے لگے مگر وہ اینٹ کی جگہ سب کو کھٹک رہی تھی، پھر میں آیا اور میں نے اس اینٹ کی جگہ کو بند کیا، وہ دیوار میرے ذریعہ مکمل کی گئی، اور میرے ساتھ ہی رسولوں کا سلسلہ ختم کیا گیا، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ اینٹ میں ہی ہوں اور میں تمام انبیاء پر ختم کی مہر لگانیوالا ہوں۔

برادران اسلام! اسود عنسی اور مختار اور مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنے کیفر کردار کو پہونچ گئے، لوگ سمجھتے تھے کہ نبوت کے دعویٰ داروں سے چھٹی مل گئی، لیکن ان کو وہ حدیث یاد نہیں رہی جس میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ نبوت کے سلسلہ میں طالع آزمائی کرنیوالے قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے " لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلٰثُوْنَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ مِنْهُمُ الْمُسَيْلَمَةُ وَالْعَنَسِيُّ وَالْمُخْتَارُ " قیامت اس وقت تک برپا نہیں ہوگی جب تک تیس دجال اور کذاب ظاہر نہ ہوجائیں، ان تیس میں مسیلمہ اور عنسی اور مختار ہیں۔

حضرات! قادیان کا کذاب بھی انھیں تیس میں سے ایک ہے، اللہ کا شکر ہے کہ پوری ملت مسلمہ نے غلام احمد قادیانی اور اس کے ماننے والوں کے کفر پر اجماع اور اتفاق کر کے عوام کو مخمصے سے بچالیا اب لاعلمی کی بنیاد پر نادانستہ کوئی مسلمان انکے جال میں نہیں پھنسے گا، اب تو یہ ہے " لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ " جس کو مرنا ہے وہ جان بوجھ کر مرے اور جسکو بچنا ہے وہ جان بوجھ کر بچے۔

ختم نبوت کے متعلق علماء نے قرآن، حدیث، اجماع وغیرہ سے

سیکڑوں دلائل جمع کردئے ہیں جن کے مطالعہ کے بعد ذرا بھی تردّد نہیں رہتا کہ ختم نبوت کا منکر قطعاً کافر اور ملّتِ اسلام سے خارج ہے۔

آپ کی تشریف آوری سے نبیوں کے سلسلے پر مُہر لگ گئی، اب کسی کو نبوت نہیں دیجائے گی، بس جسکو ملنی تھی مل چکی، اسی لئے آپکی نبوت کا دورہ سب نبیوں کے بعد رکھا جو قیامت تک چلتا رہے گا حضرت مسیح علیہ السلام بھی اخیر زمانہ میں آپکے ایک امتی کی حیثیت سے آئیں گے، خود انکی نبوت و رسالت کا عمل اس وقت جاری نہ ہوگا جیسے آج تمام انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے مگر شش جہت میں عمل صرف نبوت محمدیہ پر جاری و ساری ہے، حدیث میں ہے "لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اِتِّبَاعِيْ" اگر آج موسیٰ علیہ السلام ہوتے، تو انکو بھی بجز میری اتباع کے چارہ نہ تھا بلکہ بعض محققین کے نزدیک انبیاء سابقین اپنے اپنے عہد میں بھی خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت عظمیٰ سے مستفید ہوتے تھے جیسے رات کو چاند اور ستارے سورج کے نور سے مستفید ہوتے ہیں، حالانکہ سورج اسوقت دکھائی نہیں دیتا، اور جس طرح روشنی کے تمام مراتب آفتاب پر ختم ہوجاتے ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوجاتے ہیں، اس لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ رتبی و زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جنکو نبوت ملی ہے، آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔

برادرانِ اسلام! دین مکمل ہوچکا، قرآنِ حکیم پورے طور پر محفوظ ہے اب نہ کسی نئے دین کی ضرورت ہے نہ کسی نئے صحیفے کی، قرآن کے سوا کسی اور صحیفے نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے، اور اس کے ذریعہ

سے دین الٰہی اپنے تمام اصول و فروع کے لحاظ سے تکمیل کو پہونچ گیا، بلکہ گذشتہ انبیاء میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ اس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اس کام کی تکمیل کرے گی۔

قرآن حکیم تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں پر مشتمل ہے اسلئے جو اسکو قبول کرتا ہے وہ تمام اگلی کتابوں کی صداقتوں اور تعلیموں کو قبول کرلیتا ہے، یہ حیثیت قرآن کے سوا کسی دوسرے صحیفے کو حاصل نہیں، "وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ" (مائدہ) اور ہم نے اے محمد تمہاری طرف سچائی کے ساتھ یہ کتاب اتاری جو اپنے سے پہلی کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس پر شاہد وحاوی ہے۔

پیغمبر کی تعلیم کی حفاظت اس کے لائے ہوئے صحیفۂ الٰہی کی حفاظت پر موقوف ہے، قرآن حکیم سے پہلے کوئی کتاب تحریفات وتصرفات سے سے بری نہیں رہی، توریت جل جل کر خاک ہوئی، پھر ان سوختہ اوراق سے دوبارہ تحریر کی گئی، اور ترجموں کی تحریفات سے اپنی اصل کھو بیٹھی انجیل میں تحریف وجعل تو اسی زمانہ میں شروع ہو چکا تھا، پھر مترجموں کی کثر بیونت نے حقیقت بالکل مشتبہ کر دی، زردشت کا صحیفہ سکندر کی نذر ہوا، اب صرف گاتھا کا ایک حصہ بچا کھچا رہ گیا ہے، ان کتابوں کا یہ حال اسلئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو دائمی اور آخری کتابیں بنا کر نہیں بھیجا تھا اسی بناء پر انکی دائمی حفاظت کا وعدہ نہیں کیا گیا، قرآن حکیم کی نسبت یہ وعدہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کیلئے باقی اور محفوظ رہے گا، اس کی بقا اور حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لی اور فرمایا اور کس وثوق سے فرمایا "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ" دوسری جگہ

ارشاد ہے "لَا یَأْتِیهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ" باطل نہ اسکے سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے، یعنی نہ لفظ و عبارت کی طرف سے اور نہ حقیقت و معنیٰ کی جہت سے، ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی، قرآن کے بعد کسی صحیفہ کی، اور اسلام کے بعد کسی دین کی ضرورت نہیں ہے، اور پھر صراحۃً کہہ بھی دیا گیا کہ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہوگیا اور اب آپ کے بعد کسی نبی کی حاجت نہیں ہے، دین کامل ہوگیا، اور صحیفۂ الٰہی محفوظ ہوچکا، چنانچہ خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثتِ محمّدی کے بعد دنیا کی حالت بدل گئی، متفرق قومیں پیوستہ ہوگئیں، زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے، اور توحید کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہوگیا، اور خدا کے تمام رسولوں کو سچا اور صادق ماننے کا ولولہ آہستہ آہستہ ترقی پانے لگا، یہانتک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں ان دونوں صداقتوں کو اصولاً تسلیم کرلیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا، اور آپ کا آخری پیغمبر ہونا آپ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کاذب و کافر ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابۂ کرام سے لیکر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے، اس لئے ضرورت نہیں تھی کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث کیجائے، لیکن قادیانی فرقے نے اس مسئلہ میں مسلمانو کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کیلئے بڑا زور لگایا ہے، اور کم علم لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے، قرآن کریم کی متعدد آیات اور احادیث متواترہ سے یہ ثابت ہے کہ قیامت سے پہلے آخر زمانے میں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر دنیا میں تشریف لائیں گے اور دجالِ اعظم کو قتل کریں گے اور اسوقت کی ہر گمراہی کو ختم کریں گے ۔

مرزا قادیانی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ اٹھائے جانے اور پھر آخر میں تشریف لانے کا جو قرآن و حدیث کی بیشمار نصوص سے ثابت ہے انکار کیا، اور خود مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، اور دلیل یہ پیش کی کہ اگر عیسیٰ ابن مریم نبیّ بنی اسرائیل کا پھر دنیا میں آنا تسلیم کر لیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے منافی ہو گا، جواب بالکل واضح ہے کہ خاتم النبیین اور آخر النبیین کے معنیٰ یہ ہیں کہ آپ کے بعد کوئی شخص عہدۂ نبوت پر فائز نہ ہوگا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ سے پہلے جسکو نبوت عطا ہو چکی ہے ان کی نبوت سلب ہو جائے گی یا ان میں سے کوئی اس عالم میں پھر نہیں آسکتا، البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی اصلاح و تبلیغ کیلئے آئے گا آنحضرت کا تابع ہو کر آئے گا ۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں " وَالمُرادُ بِكَوْنِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَاتَمُهُمْ اِنْقِطَاعُ حُدُوْثِ وَصْفِ النُّبُوَّةِ فِيْ اَحَدٍ مِنَ الثَّقَلَيْنِ بَعْدَ تَحْلِيَتِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهَا فِيْ هٰذِهِ النَّشْاَةِ وَلَا يَقْدَحُ فِيْ ذٰلِكَ مَا اَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْاُمَّةُ وَاشْتَهَرَتْ فِيْهِ الْاَخْبَارُ وَلَعَلَّهَا بَلَغَتْ مَبْلَغَ التَّوَاتُرِ الْمَعْنَوِيِّ وَنَطَقَ بِهِ الْكِتَابُ مِنْ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ لِاَنَّهٗ كَانَ نَبِيًّا قَبْلَ اَنْ يُّحَلّٰى نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنُّبُوَّةِ فِيْ هٰذِهِ النَّشْاَةِ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے یہ مراد ہے کہ وصفِ نبوت آپ کے بعد منقطع ہو گیا، اب کسی کو یہ وصف اور منصب نہیں ملے گا، اس سے اس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس پر امت کا اجماع ہے اور قرآن اسپر ناطق ہے

اور احادیث رسول جو تقریباً درجہ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں اس پر شاہد ہیں وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں نازل ہوں گے، کیونکہ انکو نبوت اس دنیا میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مل چکی تھی۔

قادیانی نے دعویٰ نبوت کا راستہ ہموار کرنے کیلئے ایک نئی چال یہ چلی کہ نبوت کی ایک نئی قسم ایجاد کی جس کا قرآن وسنت میں کوئی وجود نہیں، اور پھر کہا کہ نبوت کی یہ قسم ختم نبوت کے منافی نہیں، خلاصہ یہ ہیکہ اس نے نبوت کے مفہوم میں وہ راستہ اختیار کیا جو ہندؤں اور دوسری قوموں میں معروف ہے کہ ایک شخص کسی دوسرے کے جنم میں دوسرے کے روپ میں آسکتا ہے، اور پھر یہ کہا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی مکمل اتباع کی وجہ سے آپ کا ہمرنگ ہوگیا، اس کا آنا گویا خود آپ ہی کا آنا ہے، وہ درحقیقت آپ ہی کا ظل اور بروز ہوتا ہے۔

عزیزان گرامی! اوّل تو خود یہ نو ایجاد نبوت اسلام میں کہاں سے آئی، اس کا کوئی ثبوت نہیں، اس کے علاوہ ختم نبوت کا مسئلہ چونکہ ایک بنیادی عقیدہ ہے، اس لئے رسول اللہ صلیّ اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایسا واضح کر دیا ہے کہ کسی تحریف کرنیوالے کی تحریف نہیں چل سکتی۔

آپ بخاری ومسلم کی وہ روایت تو سن ہی چکے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان انبیاء علیہم السلام ہیں، آنحضرت صلیّ اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہوچکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش باقی نہیں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو پر کرکے قصر نبوت کی تکمیل فرمادی اب اس میں نہ کسی رسالت کی گنجائش ہے، نہ نبوت کی، چاہے وہ نبوت کی

کوئی بھی قسم ہو۔

صحیح بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کَانَتْ بَنُوْا اِسْرَائِیْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَكَ نَبِیٌّ خَلَفَهٗ نَبِیٌّ وَاِنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَسَیَکُوْنُ خُلَفَاءُ فَیَکْثُرُوْنَ" بنی اسرائیل کی سیاست اور انتظام خود انبیاء کے ہاتھ میں تھا، جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی تو دوسرا نبی اسکے قائم مقام ہو جاتا تھا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ میرے خلیفہ ہوں گے جو بہت ہوں گے۔

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کے بعد امت کی تعلیم و ہدایت کا انتظام آپکے خلفاء کے ذریعہ ہوگا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونیکی حیثیت سے مقاصد نبوت کو پورا کریں گے، اگر ظلی، بروزی کوئی نبوت کی قسم ہوتی، یا غیر تشریعی نبوت باقی ہوتی تو ضروری تھا کہ یہاں اس کا ذکر کیا جاتا کہ اگرچہ عام نبوت ختم ہو چکی مگر فلاں قسم کی نبوت باقی ہے، جس سے اس عالم کا انتظام ہوگا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مرفوع ہے "لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتِ" نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے مبشرات کے۔

مسند احمد میں حضرت عائشہ صدیقہ اور ام کرز کعبیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" لَا یَبْقٰی بَعْدِیْ مِنَ النُّبُوَّةِ شَیْءٌ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ، قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَةُ یَرَاهَا الْمُسْلِمُ اَوْ تُرٰی لَهٗ" "میرے بعد نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا بجز مبشرات کے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مبشرات کیا چیز ہے، فرمایا سچے خواب جو مسلمان خود دیکھے، یا اس کے متعلق کوئی دوسرا دیکھے، اس حدیث نے

کس قدر وضاحت کردی کہ نبوت کی کوئی قسم تشریعی یا غیر تشریعی، ظلّی یا بروزی آنحضرتؐ کے بعد باقی نہیں، صرف بشرات یعنی سچے خواب لوگوں کو دکھائی دیں گے۔

حضرت انس ابن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ" (ترمذی) بیشک نبوت اور رسالت میرے بعد ختم ہو چکی ہے، میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی۔

حضرات! احادیث تو آپ نے سنیں، اب ائمہ سلف اور علماء امت کے اقوال بھی سن لیجئے، ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں "اَخْبَرَ اللہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہٖ وَرَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی السُّنَّۃِ الْمُتَوَاتِرَۃِ عَنْہُ اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ لِیَعْلَمُوْا اَنَّ کُلَّ مَنِ ادَّعٰی ھٰذَا الْمَقَامَ بَعْدَہٗ فَھُوَ کَذَّابٌ اَفَّاکٌ، دَجَّالٌ، ضَالٌّ، مُضِلٌّ وَلَوْ شَعْبَذَ وَاَتٰی بِاَنْوَاعِ السِّحْرِ وَالطَّلَاسِمِ وَالنَّیْرَنْجِیَاتِ فَکُلُّھَا مُحَالٌ وَضَلَالٌ عِنْدَ اُولِی الْاَلْبَابِ کَمَا اَجْرَی اللہُ سُبْحَانَہٗ عَلٰی یَدِ الْاَسْوَدِ الْعَنَسِیِّ بِالْیَمَنِ وَمُسَیْلَمَۃِ الْکَذَّابِ بِالْیَمَامَۃِ مِنَ الْاَحْوَالِ الْفَاسِدَۃِ وَالْاَقْوَالِ الْبَارِدَۃِ مَا عَلِمَ کُلُّ ذِیْ لُبٍّ وَفَھْمٍ وَحِجًی اَنَّھُمَا کَاذِبَانِ ضَالَّانِ لَعَنَھُمَا اللہُ تَعَالٰی وَکَذٰلِکَ کُلُّ مُدَّعٍ لِذٰلِکَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ حَتّٰی یَخْتَتِمُوْا بِالْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ" (ابن کثیر)

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث متواترہ میں خبر دی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں، تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ آپ کے بعد جو شخص مقام نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب مفتری، دجال، گمراہ اور گمراہ کرنیوالا ہے، اگرچہ وہ کتنی ہی شعبدہ بازی

کرے اور قسم قسم جادو اور طلسم اور نیرنگیاں دکھلائے جو اہل عقل کے نزدیک باطل اور گمراہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے ہاتھ پر یمن میں، اور مسیلمہ کے ہاتھ پر یمامہ میں اس طرح کے حالات فاسدہ اور اقوال بیہودہ ظاہر کرائے جن کو دیکھ کر، سن کر ہر عقل و فہم والے نے سمجھ لیا کہ یہ دونوں کاذب اور گمراہ ہیں اللہ ان پر لعنت کرے، اسی طرح جو شخص بھی قیامت تک نبوت کا دعویٰ کرے وہ کاذب و کافر ہے، یہانتک کہ مدعیان نبوت کا یہ سلسلہ مسیح دجّال پر ختم ہوگا۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب "شفاء" میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا کافر، کذّاب، رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنیوالا اور "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کا منکر ہے "اَجْمَعَتِ الْاُمَّةُ عَلٰی حَمْلِ هٰذَا الْكَلَامِ عَلٰی ظَاهِرِهٖ وَاَنَّ مَفْهُوْمَهُ الْمُرَادُ بِهٖ دُوْنَ تَاْوِيْلٍ وَلَا تَخْصِيْصٍ فَلَا شَكَّ فِیْ كُفْرِ هٰؤُلَاءِ الطَّوَائِفِ كُلِّهَا قَطْعًا اِجْمَاعًا وَسَمْعًا (الشفا) امت نے اجماع کیا ہے کہ اس کلام کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے اور یہ کہ اس آیت (وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ) کا نفس مفہوم ہی مراد ہے اسمیں کوئی تاویل یا تخصیص نہیں ہے اس لئے ان تمام فرقوں کے کفر میں کوئی شک نہیں جو کسی مدّعی نبوّت کی پیروی کریں بلکہ ان کا کفر قطعی طور سے اجماع امت اور نقل یعنی کتاب و سنّت سے ثابت ہے

بزرگو اور دوستو! تھوڑی دیر کیلئے غور کیجئے کہ نئے نبی کی آخر ضرورت کیا ہے؟ نبوت کوئی ایسی صفت نہیں ہے جو ہر اس شخص میں پیدا ہوجایا کرے جس نے عبادت اور عمل صالح میں ترقی کرکے اپنے آپکو اس کا اہل بنالیا ہو، نہ یہ کوئی ایسا انعام ہے جو کہ خدمات کے صلہ میں

عطا کیا جاتا ہو، بلکہ یہ ایک منصب ہے جس پر ایک خاص ضرورت کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مقرر کرتا ہے، وہ ضرورت جب داعی ہوتی ہے تو ایک نبی اس کیلئے مامور کیا جاتا ہے، اور جب ضرورت نہیں ہوتی یا باقی نہیں رہتی تو خواہ مخواہ انبیاء پر انبیاء نہیں بھیجے جاتے، قرآن کریم سے صرف چار حالتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں جن میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں، اوّل یہ کہ اس قوم میں پہلے کوئی نبی نہیں آیا تھا اور کسی دوسری قوم میں آئے ہوئے نبی کا پیغام بھی اس تک نہ پہونچ سکتا تھا، دوئم یہ کہ پہلے گذرے ہوئے نبی کی تعلیم بھلا دی گئی ہو یا اس میں تحریف ہو گئی ہو اور اس کے نقش قدم کی پیروی کرنا ممکن نہ رہا ہو، سوئم یہ کہ پہلے گذرے ہوئے نبی کے ذریعہ مکمل تعلیم و ہدایت لوگوں کو نہ ملی ہو، اور تکمیل دین کیلئے مزید انبیاء کی ضرورت ہو۔ چہارم یہ کہ ایک نبی کے ساتھ اس کی مدد کے لئے ایک اور نبی کی حاجت ہو۔

اب یہ ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی ضرورت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باقی نہیں رہی ہے، قرآن خود کہہ رہا ہے کہ حضور کو تمام دنیا کی ہدایت کیلئے مبعوث فرمایا گیا ہے، اور دنیا کی تمدنی تاریخ بتلا رہی ہے کہ آپ کی بعثت کے وقت سے مسلسل ایسے حالات موجود رہے کہ آپکی دعوت سب قوموں کو پہونچ سکتی تھی، اور ہر وقت پہونچ سکتی ہے، اس کے بعد الگ الگ قوموں میں انبیاء آنے کی حاجت باقی نہیں رہتی۔

قرآن اس پر بھی گواہ ہے اور اس کے ساتھ حدیث و سیرت کا پورا ذخیرہ اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیم بالکل اپنی صحیح صورت میں محفوظ ہے، اس میں مسخ و تحریف

کا کوئی عمل نہیں ہوا ہے، جو کتاب آپ لائے تھے اسمیں ایک لفظ کی بھی کمی بیشی آجتک نہیں ہوئی نہ قیامت تک ہو سکتی ہے، جو ہدایت آپنے اپنے قول وعمل سے دی اس کے تمام آثار آج بھی اس طرح ہمیں مل جاتے ہیں کہ گویا ہم آپ کے زمانے میں موجود ہیں، اس لئے دوسری ضرورت بھی ختم ہو گئی پھر قرآن مجید یہ بات بھی صاف صاف کہتا ہے کہ حضورؐ کے ذریعہ دین کی تکمیل کر دی گئی، لہٰذا تکمیل دین کیلئے بھی اب کوئی نبی درکار نہیں رہا، اب رہ جاتی ہے چوتھی ضرورت تو اگر اس کیلئے کوئی نبی درکار ہوتا، تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپ کے ساتھ مقرر کیا جاتا، ظاہر ہے کہ جب مقرر نہیں کیا گیا تو یہ وجہ بھی ساقط ہو گئی۔

اب ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ پانچویں وجہ کونسی رہ گئی ہے جس کیلئے آپ کے بعد ایک نبی کی ضرورت ہو، اگر کوئی کہے کہ قوم بگڑ گئی ہے اسلئے اصلاح کی خاطر ایک نبی کی ضرورت ہے، تو ہم اس سے پوچھیں گے کہ محض اصلاح کیلئے نبی دنیا میں کب آیا ہے کہ آج صرف اس کام کے لئے وہ آئے، نبی تو اس لئے مقرر ہوتا ہے کہ اس پر وحی کی جائے، اور وحی کی ضرورت یا تو کوئی نیا پیغام دینے کیلئے ہوتی ہے، یا پچھلے پیغام کی تکمیل کرنے کیلئے، یا اس کو تحریفات سے پاک کرنے کیلئے، قرآن اور سنّت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے محفوظ ہو جانے، اور دین کے مکمل ہو جانیکے بعد جب وحی کی سب ممکن ضرورتیں ختم ہو چکی ہیں تو اب اصلاح کیلئے صرف مصلحین کی حاجت باقی ہے نہ کہ انبیاء کی، ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ نئی نبوت اب امت کیلئے رحمت نہیں بلکہ لعنت ہے، نبی جب بھی کسی قوم میں آئیگا، فوراً اسمیں کفر و ایمان کا سوال اٹھ کھڑا ہوگا

جو اسکو مانیں گے وہ ایک امّت قرار پائیں گے اور جو اسکو نہ مانیں گے وہ لامحالہ دوسری امّت ہونگے، ان دونوں امتوں کا اختلاف محض فروعی اختلاف نہ ہوگا، بلکہ ایک نبی پر ایمان لانے نہ لانیکا ایسا بنیادی اختلاف ہوگا جو انھیں اس وقت تک جمع نہ ہونے دے گا، جب تک ان میں سے کوئی اپنا عقیدہ نہ چھوڑ دے، اس بناء پر ان کا ایک مشترک معاشرہ بن جانا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگا۔

ان حقائق کو اگر کوئی شخص نگاہ میں رکھے تو اس پر یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ ختم نبوت امّت مسلمہ کیلئے ایک بہت بڑی رحمت ہے جسکی بدولت ہی امّت مسلمہ کا ایک دائمی اور عالمگیر برادری بننا ممکن ہوا، اس چیز نے مسلمانوں کو ایسے ہر بنیادی اختلاف سے محفوظ کر دیا ہے جو انکے اندر مستقل تفریق کا موجب ہو سکتا ہو، اب جو شخص بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی و رہبر ماننے اور انکی دی ہوئی تعلیم کے سوا کسی اور تعلیم کی طرف رجوع کرنے کا قائل نہ ہو وہ اس برادری کا فرد ہے اور ہر وقت ہو سکتا ہے، یہ وحدت اس امّت کو کبھی نصیب نہ ہو سکتی تھی اگر نبوت کا دروازہ بند نہ ہو جاتا، کیونکہ ہر نبی کے آنے پر یہ امّت پارہ پارہ ہوتی رہتی آدمی سوچے تو اس کی عقل خود یہ کہدے گی کہ جب تمام دنیا کیلئے ایک نبی بھیجدیا جائے اور جب اس نبی کے ذریعہ دین کی تکمیل بھی کر دیجائے اور جب اس نبی کی تعلیم کو پوری طرح محفوظ بھی کر دیا جائے تو نبوت کا دروازہ بند ہو جانا چاہئے، تاکہ اس آخری نبی کی پیروی پر جمع ہو کر تمام دنیا میں ہمیشہ کیلئے اہل ایمان کی ایک امّت بن سکے اور بلا ضرورت نئے نئے نبیوں کی آمد سے اس امّت میں بار بار تفرقہ نہ برپا ہوتا رہے۔

نبی خواہ ظلی ہو یا بروزی، امتی ہو یا صاحب شریعت اور صاحب کتاب بہرحال جو شخص نبی ہو گا اور خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہو گا، اسکے آنے کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا کہ اس کے ماننے والے ایک امت بنیں اور نہ ماننے والے کافر قرار پائیں، یہ تفریق تو اس حالت میں ناگزیر ہے جبکہ نبی کے بھیجے جانیکی فی الواقع ضرورت ہو، مگر جب اس کے آنے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہے تو خدا کی حکمت اور اس کی رحمت سے یہ بات قطعی بعید ہے کہ وہ خواہ مخواہ اپنے بندوں کو کفر و ایمان کی کشمکش میں مبتلا کرے، اور انھیں کبھی ایک امت نہ بننے دے، لہٰذا جو کچھ قرآن سے ثابت ہے اور جو کچھ سنت اور اجماع سے ثابت ہے، عقل بھی اسکو صحیح تسلیم کرتی ہے اور اسکا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اب نبوت کا دروازہ بند ہی رہنا چاہیئے۔

حاضرین باتمکین! احادیث میں وارد ہے کہ دجال جب ستر ہزار یہودیوں کو لے کر ملک شام میں گھسے گا اور دمشق کے سامنے جا پہونچے گا ٹھیک اس نازک موقع پر دمشق کے مشرقی حصے میں ایک سفید مینار کے قریب حضرت عیسیٰ ابن مریم صبحدم نازل ہوں گے، اور نماز فجر کے بعد مسلمانوں کو اس کے مقابلے پر لیکر نکلیں گے، انکے حملے سے دجال پسپا ہو کر اسرائیل کی طرف پلٹے گا اور وہ اس تعاقب کریں گے، آخر کار مقام لُدّ جو اسرائیل کے قبضہ میں ہے وہاں ان کے ہاتھ سے مارا جائیگا، اس کے بعد یہودی چن چن کر مارے جائیں گے، ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ مسیح سے وہی مسیح مراد ہیں، جنھیں دو ہزار برس پہلے یہودیوں نے ماننے سے انکار کر دیا تھا، اور جنھیں وہ اپنی دانست میں صلیب پر چڑھا کر ٹھکانے لگا چکے تھے، اس حقیقی مسیح کے نزول کی جگہ ہندوستان یا افریقہ یا امریکہ

یں نہیں بلکہ دمشق میں ہوگی، کیونکہ یہی مقام اس وقت عین محاذ جنگ پہ ہوگا دمشق اسرائیل سے کوئی پچاس ساٹھ میل کے فاصلے پر ہے۔

اب سنئے مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے، اب ان کا واپس آنا ممکن نہیں ہے، اور جس مسیح کا وعدہ کیا گیا ہے وہ میں ہوں، اس جعل سازی کا سب سے زیادہ مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ جب مرزا جی سے کہا گیا کہ مسیح موعود تو عیسیٰ ابن مریم ہیں اور آپ غلام احمد ابن چراغ بی بی ہیں تو مرزا جی نے خود عیسیٰ ابن مریم بننے کیلئے یہ دلچسپ تاویل فرمائی "اس نے (اللہ تعالیٰ نے) میرا نام مریم رکھا، دو برس تک صفت مریمیت میں میں نے پرورش پائی پھر مریم کی طرح عیسیٰ کی روح مجھ میں نفخ کی گئی اور استعارے کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا، اور آخر کئی مہینے کے بعد جو دس مہینے سے زیادہ نہیں مجھے مریم سے عیسیٰ بنایا گیا، پس اس طور سے میں ابن مریم ٹھہرا" (براہین احمدیہ کشتی نوح) یعنی پہلے مریم بنے پھر خود ہی حاملہ ہوئے پھر اپنے پیٹ سے آپ عیسیٰ ابن مریم بن کر تولد ہوئے۔

اس کے بعد یہ مشکل پیش آئی کہ عیسیٰ ابن مریم کا نزول تو احادیث کی رو سے دمشق میں ہونا تھا جو کئی ہزار برس سے شام کا ایک مشہور و معروف مقام ہے اور آج بھی دنیا کے نقشے پر اسی نام سے موجود ہے، یہ مشکل ایک دوسری تاویل سے یوں رفع کی گئی۔

واضح ہو کہ دمشق کے لفظ کی تعبیر میں میرے اوپر منجانب اللہ یہ ظاہر کیا گیا کہ اس جگہ ایسے قصبے کا نام دمشق رکھا گیا ہے جس میں ایسے لوگ رہتے ہیں جو یزیدی الطبع اور یزید پلید کی عادات و خیالات کے پیرو ہیں

یہ قصبہ قادیان بوجہ اس کے کہ اکثر یزیدی الطبع لوگ اسمیں سکونت رکھتے ہیں دمشق سے ایک مشابہت اور مناسبت رکھتا ہے ۔ (حاشیہ ازالۂ اوہام)

پھر ایک اور الجھن یہ باقی رہ گئی کہ احادیث کی رو سے ابن مریم کو ایک سفید منارہ کے پاس اترنا تھا چنانچہ اس کا حل یہ نکالا گیا کہ مسیح صاحب نے آکر اپنا منارہ خود بنوالیا، اب اسے کون دیکھتا ہے کہ احادیث کی رو سے منارہ وہاں ابن مریم کے نزول سے پہلے موجود ہونا چاہئے تھا اور یہاں وہ مسیح موعود صاحب کی تشریف آوری کے بعد تعمیر کیا گیا،

آخری اور زبردست الجھن یہ تھی کہ احادیث کی رو سے تو عیسیٰ ابن مریم کو "لُد" کے دروازے پر دجّال کو قتل کرنا تھا، اس مشکل کو رفع کرنے کی فکر میں پہلے طرح طرح کی تاویلیں کی گئیں، لیکن جب ان سے بات نہ بنی تو صاف کہدیا گیا کہ لُدّ سے مراد لدھیانہ ہے اور اس کے دروازے پر دجّال کے قتل سے مراد یہ ہے کہ اشرار کی مخالفت کے باوجود وہیں سب سے پہلے مرزا جی کے ہاتھ پر بیعت ہوئی، ان تاویلات کو جو شخص بھی کھلی آنکھوں سے دیکھیگا اسے معلوم ہو جائے گا کہ کس قدر چھپے ہوئے بہروپ بھرے گئے ہیں، حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو قادیانیوں کی کتاب الہدیٰ صفحہ

نوجوانان ملت و برادران گرامی! مجھے جو کچھ کہنا تھا اختصار کے ساتھ جلدی جلدی میں نے کہدیا ہے، آخر میں اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کلمات میں تاثیر رکھدے، اور ان کو تشفی بخش بنائے اور ہمارے عوام اور سادہ دل نوجوانوں کو گمراہی اور ارتداد سے بچالے۔

پورے عالم اسلام کا اسپر اتفاق ہے کہ کسی مسلمان کا قادیانی ہو جانا مرتد ہو جانا ہے۔

قادیانی فرقہ، ہندوؤں، جینیوں، سکھوں کی طرح ایک غیر مسلم قوم ہے
شاعرِ مشرق علامہ اقبال کے نزدیک ملت کی شیرازہ بندی ختمِ نبوت ہی سے ممکن ہے، یہ عقیدہ ہماری قوت کا سرمایہ اور ہماری وحدت کا ضامن ہے، فرماتے ہیں ؎

پس خدا برما شریعت ختم کرد ؛ بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

اللہ نے ہم پر شریعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت ختم کردی

رونق از ما محفلِ ایام را ؛ او رسل را ختم و ما اقوام را

اب محفلِ دنیا کی رونق ہمارے دم سے ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاءؐ اور ان کے امتی خاتم الامم ہیں، قصیدہ بردہ میں ہے ؎

لمّا دعا اللّٰہُ داعینا لطاعتہٖ ؛ باکرم الرُّسُلِ کُنّا اکرمَ الاُمَمِ

جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیغمبر کو اکرم الرسل بنایا ہے تو لامحالہ ہم اکرم الامم ہوئے۔

خدمتِ ساقی گری برما گذاشت ؛ داد ما را آخریں جامے کہ داشت

اب ساقی گری کی خدمت ہم پر چھوڑ دی گئی ہے اور آخری جام ہم کو دیدیا گیا ہے۔

لا نبیّ بعدی ز احسانِ خداست ؛ پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیٰ است

لَا نَبِیَّ بَعْدِی یا ختم نبوت اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، یہ چیز دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی محافظ ہے۔

قوم را سرمایہ و قوت ازو ؛ حفظِ سرِّ وحدتِ ملت ازو

نبوت کے سلسلہ کا ختم ہوجانا قوم کی قوت کا سرمایہ ہے اور یہ وحدتِ ملت کے راز کا محافظ ہے۔

حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست ؛ تا ابد اسلام را شیرازہ بست

اللہ تعالیٰ نے ہر مدعی نبوت کے دعوے کو باطل کر دیا، اسلئے قیامت تک دین اسلام ہی کا سکہ رواں رہے گا۔

وآخر دعوانا اَنِ الحمد للہ ربّ العالمین

تقریر بست و یکم ۲۱

خواتین

امّا بعد : فَاعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ، بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیمِ
لِلرِّجَالِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبُوا، وَلِلنِّسَاءِ نَصِیبٌ مِّمَّا اکۡتَسَبۡنَ" وَقَالَ النَّبِیُّ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ "اِنَّ الدُّنۡیَا کُلَّھَا مَتَاعٌ، وَخَیۡرُ مَتَاعِ الدُّنۡیَا
الۡمَرۡاَۃُ الصَّالِحَۃُ" ؎

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ؛ کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ؛ ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

حاضرین محترمین و حاضرات محترمات ! آج کی مجلس میں ہم اپنی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے بزرگوں اور بھائیوں سے بھی کچھ عرض کریں گے، سب سے پہلے میں محترم خواتین سے گذارش کرتا ہوں کہ ایک نظر ان تہذیبوں اور مذہبوں پر ڈال لیں جو اسلام سے پہلے دنیا میں رائج تھیں، میرا مطالعہ

یہ بکہ اسلام سے پہلے بیچاری عورت کی حالت انتہائی خستہ تھی، معاشرہ اور سماج میں اس سے زیادہ کوئی مظلوم نہیں تھا، سب سے پہلے ہند و مذہب اور ہندو تہذیب کو لیجئے "تمدن ہند" کے مصنف ڈاکٹر لی بان لکھتے ہیں:

"شوہر مرجاتا تو عورت گویا جیتے جی مرجاتی اور زندہ درگور ہوجاتی، وہ کبھی دوسری شادی نہ کرسکتی، اس کی قسمت میں طعن و تشنیع اور ذلت و تحقیر کے سوا کچھ نہ ہوتا، بیوہ ہونے کے بعد اپنے متوفی شوہر کے گھر کی لونڈی اور دیوروں کی خادمہ بن کر رہنا پڑتا، اکثر بیوائیں اپنے شوہروں کے ساتھ ستی ہوجاتیں، بیواؤں کو اپنے شوہروں کی لاش کے ساتھ جلانے کی رسم ہندوستان میں عام ہوچلی تھی" (تمدن ہند ۲۲۸)

یونان اور روم میں یہ نظریہ رائج تھا کہ عورت کے جسم میں انسانی روح نہیں ہے، بلکہ اس کے اندر انسانوں سے مختلف حیوانی روح ہے، لہٰذا وہ اس عزت کی مستحق نہیں ہے جو انسانوں کے لئے خاص ہے، اس وقت کے مروجہ مذاہب اور نظریات عورت کو مالکانہ تصرف کا حق دینے کیلئے تیار نہ تھے نہ عورت کو جائیداد کا وارث تسلیم کرتے تھے۔

عرب میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کردینے کا رواج تھا، سانپوں اور بچھوؤں کو جینے کا حق تھا لیکن حوا کی بیٹیوں کو جینے کا حق حاصل نہیں تھا۔

ایسے ظلم، ایسی بربریت اور ایسی تاریکی کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور اسلام کا آفتاب طلوع ہوا، قرآن کریم نے اعلان کیا "وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ" اور جب محشر میں ان بچیوں سے جو زندہ درگور کردی گئیں تھیں پوچھا جائے گا کہ ہاں بتاؤ تمہیں کس قصور میں مارا گیا تھا؟ یہ سوال انکی موجودگی میں کیا جائے گا جو زندہ درگور کرنیوالے

تھے یا زندہ درگور کرنیوالیاں تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا " اَلوَائِدَۃُ وَالمَوْءُودَۃُ کِلاھُمَا فِی النَّارِ" جس عورت نے زندہ درگور کیا اور جس کے حکم سے ایسا کیا گیا دونوں دوزخ میں ہونگی۔

الغرض دنیا نے عورت کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا، اسلام نے آکر اسے زندگی بخشی، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس کو محبوب قرار دیا، ارشاد فرمایا گیا "حُبِّبَ اِلَیَّ ثَلَاثٌ، الطِّیبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلٰوۃِ مجھے تین چیزیں محبوب ہیں، خوشبو اور بیویاں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، یہی نہیں بلکہ اسکو لطف زندگی بھی بخشا گیا، چنانچہ فرمایا گیا کہ شوہر اگر محبت سے بیوی کے منہ میں لقمہ رکھدے تو یہ اس کے حق میں صدقہ کا ثواب رکھتا ہے، اس پر ایک صحابی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ، یہ تو خواہش کی تکمیل ہے اس میں کونسا ثواب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہی لقمہ اجنبی عورت کے منہ میں رکھتا تو گناہ ہوتا یا نہیں؟ صحابی نے عرض کیا جی ہاں گناہ ہوتا، آپؐ نے فرمایا تو پھر صحیح جگہ رکھنے سے ثواب کیوں نہیں ہوگا۔

دنیا بیوہ کو ابھاگن سمجھتی رہی، اس کو نحوست کی علامت قرار دیتی تھی عورتیں اسکی پرچھائیں سے بھاگتی تھیں، پیغمبر اسلام نے اپنی پچیس۲۵ سال کی اٹھتی ہوئی جوانی میں چالیس سالہ بیوہ سے نکاح کر کے بیوہ کے رتبہ کو بڑھایا اور دنیا کو یہ تعلیم دی کہ یہ نحوست نہیں بلکہ سعادت ہے۔

یہ ہیں اسلام اور پیغمبر اسلام کے احسانات، کاش میری بہنیں اس کو محسوس کریں اور اس پیغمبر کی شریعت پر صدقے ہو جائیں جسنے اپنے بے پایاں احسانات سے انکو مالامال کر دیا کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے ؎

مظلوموں کی فریادرسی مجبوروں کی غمخواری کی ،، زخموں پہ نمک مرہم رکھے بیچین دلوں کے کام آئے

عورت کو حیا کی چادر دی غیرت کا غازہ بھی بخشا، شیشوں میں نزاکت پیدا کی کردار کے جوہر چمکائے

محترم خواتین! یونان و روم نے آپ کو انسانوں سے جدا مخلوق قرار دیا تھا، قرآن نے مرد و زن دونوں کو ایک جنس قرار دیا اور دونوں کا منبع ایک ہی ہستی کو ٹھہرایا " یَا اَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا " اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار سے جس نے تم کو ایک ہی ہستی سے پیدا کیا اور اسی ہستی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔

یعنی تمام مرد و زن حضرت آدم سے پیدا ہیں مرد و زن کے خمیر میں کوئی فرق نہیں ہے، آپکو مالکانہ تصرف اور جائیداد کی وراثت سے محروم کر دیا گیا تھا، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن نے آپکو مالکانہ حق عطا کیا اور وراثت میں شریک ٹھہرایا " لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَکَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ (النساء) والدین اور رشتہ دار جو مال و جائیداد چھوڑ جائیں اسمیں جسطرح مردوں کا حصہ ہے اسی طرح عورتوں کا بھی حصہ ہے

دینی اور روحانی ترقی جس طرح مرد کر سکتا ہے عورت بھی کر سکتی ہے وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ نَقِیْرًا (النساء) اور جو شخص بھی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو وہ جنت میں داخل ہونگے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا " فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ " یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا تھا، یارسول اللہ! ہم عورتوں کی ہجرت اور دیگر اعمال حسنہ کا قرآن پاک میں خاص طور سے

ذکر نہیں آتا، ان کے جواب میں آیت بالا نازل کی گئی" ارشاد ہوا توان کی دعا ان کے رب نے قبول فرمالی کہ میں تم میں سے کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک ہو، ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی، جو کام کرے گا اس کا پھل پائے گا، یہاں عمل شرط ہے، نیک عمل کرکے ایک عورت بھی آخرت کے وہ درجات حاصل کرسکتی ہے جو مرد حاصل کرسکتے ہیں، جب تم مرد و عورت ایک نوع انسانی کے افراد ہو، ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو، ایک رشتہ اسلامی میں منسلک ہو، ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور ان کے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی سمجھو!

وظائف اور ذمہ داریوں کا مسئلہ نہ ہو تو عورت مرد کے مقابلہ میں زیادہ قابل لحاظ ہے "جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ، قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ أَبُوكَ، (متفق علیہ) ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا، تمہاری ماں، عرض کیا اسکے بعد کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، عرض کیا اس کے بعد کون؟ فرمایا: تمہاری ماں، عرض کیا پھر کون؟ فرمایا: تمہارا باپ۔

حدیث آپ نے سماعت کی، اس سے آپ نے کیا سمجھا، یہی ناکہ عورت مرد کے مقابلے میں خدمت کی تین گنا زیادہ حقدار ہے، اسلام نے عورت کی آزادیٔ رائے کا اتنا احترام کیا کہ لڑکیاں جو ابھی نابالغی کی عمر

سے نکل کر بلوغ میں داخل ہوئی ہیں اور جنکو زندگی اور مسائل زندگی کا تجربہ نہیں ہے ان کا نکاح بھی ان کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے، خواہ یہ نکاح قریب ترین رشتہ دار نے کیا ہو "لَا تُنْكَحُ الثَّيِّبُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ وَإِذْنُهَا الصُّمُوتُ" ثیبہ لڑکی جو پہلے سے نکاح کا تجربہ کر چکی ہے، اور کنواری لڑکی جسے نکاح کا کوئی تجربہ نہیں کسی کا بھی نکاح انکی اجازت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔

مخفی مباد کہ اسلام نے یہ تمام حقوق اسوقت عطا کئے تھے، جب نہ کوئی احتجاج ہوا تھا، نہ کسی طبقہ کا دباؤ تھا، یہ محض اسلام کی رحیمانہ فطرت کا کرشمہ تھا۔

وَلْتَفْعَلِ النَّفْسُ الْجَمِيلَ لِأَنَّهُ
خَيْرٌ وَأَحْسَنُ لَا لِأَجْلِ ثَوَابِهِ

کریم النفس انسان نیکی اس لئے کرتا ہے کہ وہ نیکی ہے اسلئے نہیں کرتا ہے کہ اسپر کچھ ملے گا، نیک فطرت نیکی کی طرف فطرتاً مائل ہوتا ہے، اسی طرح اسلام نے اپنی عادلانہ اور رحیمانہ فطرت کیوجہ سے عورتوں کو شرف بخشا، آج دنیا میں جو عورتوں کے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے یہ مسلسل دباؤ کا نتیجہ ہے، اس کے تحت کوئی شرافت نفس کار فرما نہیں ہے۔

خواتین اسلام! آپکو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہئے، اس صداقت پر ہر وقت آپکی نظر رہنی چاہیئے کہ مغربی تہذیب نے عورت کو صرف اس لئے آزادی دی ہے کہ وہاں مرد عورتوں کی کفالت نہیں کرنا چاہتے لہٰذا وہاں عورت خود کام کرنے پر مجبور ہے۔

شہید اسلام اور شہید مسلمین سید قطب نے بہت صحیح لکھا ہے "یحسن اَنْ نذکرَ ان الغرب اخرجَ المرأةَ منَ البیتِ تعمل لان الرجل هناك

تکلَ عن کفالتھا واعالتھا اِلاَّ ان یقتضیہا الثمن من عفتھا وکرامتھا، عند ئذٍ فقط اضطرت المرأۃ ان تعمل" (العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام)

یہاں مناسب ہے کہ ہم اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ یورپ نے عورت کو گھر سے باہر کام کرنے کیلئے اس لئے نکالا ہے کہ وہاں مردوں نے ان کی کفالت و پرورش کرنے سے انکار کر دیا ہے، ہاں اسکی عفت و کرامت کا سودا کر کے جو قیمت وصول ہو اسکا کوئی حصہ اسپر صرف کیا جا سکتا ہے صرف اس مجبوری کی بناء پر وہاں عورت کام کرنے پر مجبور ہوئی۔

میری بہنو! میرا مقصود یہ ہے کہ آپ اللہ اور اس کے رسول کا دل سے شکریہ ادا کریں کہ اللہ نے آپکی عزت بحال کی آپکو زنانِ بازاری ہونے سے بچایا، آپ کو شمعِ محفل کے بجائے چراغِ خانہ بنایا، آپکو ہدایت دی کہ آپکے ضمیر کی تسکین خاتونِ خانہ بننے میں ہے سبھا کی پری بننے میں نہیں "تاریخ میں جتنے لوگ عظیم ہیں وہ سب خاتونِ خانہ کی گود کے پلے ہوئے ہیں، کسی شمعِ انجمن کی تربیت کے زیر سایہ آج تک کوئی بڑا انسان نہیں ہوا اسلئے زبان و دل سے یہ ورد جاری رکھئے "رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَرَسُوْلاً" ہم اللہ کے رب ہونے پر راضی ہیں، اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر راضی ہیں، ہمیں اسپر فخر ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے اور اسلام ہمارا مذہب ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں، ہمیں کسی کی طرف اس حیثیت سے نہیں دیکھنا ہے کہ وہ ہماری کارسازی کرے گا، نہ کسی تہذیب اور نظریئے سے ہمیں رہنمائی لینا ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہم کسی کو نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔

معزز خواتین ! اسلام کی صداقت اور حقانیت کا یہ کرشمہ ہے کہ مردوں کی طرح عورتوں نے بھی اس کا پرتپاک استقبال کیا اور بڑھ کر اسکو گلے لگایا اور اس کیلئے طرح طرح کی قربانیاں دیں، ہجرت اور جہاد جیسے صبر آزما اور حوصلہ شکن موقعوں پر عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ رہیں، نبوت کے بعد سب سے بڑا رتبہ صحابی ہونے کا ہے، آپکو یہ سنکر حیرت ہوگی کہ یہ شرف سب سے پہلے ایک خاتون کے حصّے میں آیا کیا آپکو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے جو ہستی ایمان لائی وہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

اللہ کے راستے میں شہادت کا کتنا بلند مقام ہے یہ مقام رفیع بھی سب سے پہلے ایک خاتون کو نصیب ہوا، یعنی اسلام کی راہ میں جان عزیز کی قربانی سب سے پہلے حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیش کی، مردوں سے پہلے انھوں نے جام شہادت نوش فرمایا، ان حقائق کی روشنی میں اگر یہ کہا جائے کہ صحابیت اور شہادت کی تاریخ کا آغاز خواتین سے ہوتا ہے تو کیا اس دعوے کو مبالغہ کہا جائے گا۔

ہجرتِ رسول جیسا مقدس عمل، جسکے بعد اسلام کی تاریخ میں سب سے بڑا موڑ آیا، اور شاید اسی وجہ سے اس سے اسلامی سنہ کا آغاز ہوا، اس مقدس عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنکا نام آتا ہے وہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ ہیں، حضرت ابو بکر رفیق سفر رہے، اور حضرت علی نے بستر رسول پر لیٹ کر ہجرت میں تعاون کیا، لیکن ایک نام اور بھی ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور وہ ہے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام جنکا کردار ہجرت رسول کے سلسلے میں ناقابلِ فراموش ہے۔

میری ماؤاور بہنو! تم کس میدان میں پیچھے رہیں اسلام کیلئے تم نے کونسی قربانی ہے جو نہیں پیش کی، آپ بجا طور پر کہہ سکتی ہیں سے

گلشن میں سرو فوج میں مثل نشان رہے ؛ دنیا میں سر بلند رہے ہم جہاں رہے
اب دیکھیں کیا دکھائے نشیب و فراز دہر ؛ اب تک تو جن زمیں پہ رہے آسماں رہے

محترم خواتین! خدا کیلئے اپنا مقام سمجھئے، آج اسلام کو آپ کی سخت ضرورت ہے اگر آپ ارادہ کرلیں تو اسلامی مشین کا بہترین پرزہ بن سکتی ہیں، اس مختصر سی نشست میں میری آپ سے ایک مختصر گذارش بلکہ فرمائش ہے وہ یہ ہے کہ آپ اپنے اندر تین اوصاف پختہ کرلیں، یہ اوصاف جس قدر پختہ ہونگے، زندگی کی گاڑی اسی قدر عمدہ چلے گی، وہ تین اوصاف یہ ہیں، عبادت، اُمومت، نصیحت۔

عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق پہچانیں اور ان کو اچھی طرح ادا کریں، یہ عقیدہ اپنے اندر راسخ کریں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے، اور ہر چیز پر اسکو قدرت ہے، موت وحیات، عزت وذلت امیری وغریبی، خوشحالی وبدحالی، اولاد کا عطا کرنا اولاد سے محروم رکھنا، بیمار کرنا اور شفا دینا تنہا اللہ کا کام ہے اسمیں کوئی نبی یا ولی ذرہ برابر اللہ کا شریک نہیں ہے، لہٰذا ان چیزوں کے لئے کسی نبی یا ولی کے مزار پر ہاتھ پھیلانا شرک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعائیں فرمایا کرتے تھے "اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ" اے اللہ جو کچھ تو دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو کچھ تو روکنا چاہے اسے کوئی دلوا نہیں سکتا سے

دل میں تو ضعف عقیدت کو کبھی راہ نہ دے ؛ کوئی کچھ دے نہیں سکتا اگر اللہ نہ دے

بیماری اور آسیب کو دفع کرنیکے لئے سادھوؤں کے پاس جانا، نجومیوں اور جوتشیوں سے قسمت معلوم کرنا اور اسپر یقین کرنا، اسی طرح جادو کروانا کفر ہے۔
"مَنْ اَتیٰ عرّافاً فسألہٗ عن شئٍ لم تُقبل لہٗ صلاۃ اربعین لیلۃ" جو شخص جوتشی کے پاس گیا اور اس سے کچھ دریافت کیا تو اسکی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی" مَن اتیٰ کاہناً فصدّقہٗ بما یقول فقد بریٔ ممّا انزلَ علیٰ مُحمّدٍ" جو نجومی کے پاس آیا اور اسکی باتوں کو سچ جانا تو وہ اس چیز سے الگ ہو گیا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی یعنی قرآن اور شریعت دین اور مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا۔

مَنْ اتیٰ ساحراً او کاہناً فصدّقہ بما یقول فقد کفر بما انزل علیٰ مُحمّدٍ صلّی اللہ علیہِ وسلّمَ" جو جادوگر یا نجومی کے پاس گیا اور ان کی باتوں کو سچ جانا تو اس نے اس چیز کا انکار کیا جو محمّد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔

میری بہنو! اللہ تمہیں ہدایت دے، تمہارا عقیدہ بہت کمزور ہے، معاف کیجئے گا! بعض اوقات آپکے عمل سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا ایمان مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے، خدانخواستہ آپ بیمار ہوئیں یا آپ کے بچے بیمار ہوئے یا کسی مصیبت میں مبتلا ہوئے تو آپ اس کا مداوا کرنے کیلئے قطعاً یہ بھول جاتی ہیں کہ آپ مومن ہیں اور اللہ اور رسول پر آپ کا ایمان ہے، بستی کے کسی کنارے میں اگر آپ نے سنا کہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے، یا ٹونا ٹوٹکا کرنے والا ہے، یا سفلی عمل کرنے والا ہے یا جادوگر ہے آپ فوراً اس کے قدموں میں گر جاتی ہیں، آپکو یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ جس کے قدموں میں آپ گر رہی

ہیں وہ کافر و مشرک اور خدا کا دشمن ہے، بعض درگاہوں میں چوٹیاں
بندھی ہوئی ہیں کہیں عرضیاں لکھ کر لٹکائی گئیں ہیں، ارے! یہ کیا قیامت
ہے یہ کھلا ہوا شرک ہے، خدا کیلئے ان خرافات کو چھوڑو اور حقیقت
کی طرف آؤ، قرآنِ حکیم سے بڑھ کر دنیا میں کوئی حقیقت نہیں ہے، دیکھو!
قرآنِ حکیم کیا فرماتا ہے: وَإِن يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِن
يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ
الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (الانعام ۱۷) اور اگر اللہ تم کو کوئی مصیبت پہونچا دے تو
اس کے سوا کوئی اسکو دور کرنے والا نہیں ہے اور اگر تم کو بھلائی اور
رحمت پہونچا دے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اسی کا زور ہے اپنے
بندوں پر اور وہی ہے بڑی حکمت والا سب کی خبر رکھنے والا ۔
ان آیاتِ بینات سے کیا معلوم ہوا! کہ جو تکلیف یا راحت خدا کسی
پہونچانا چاہے نہ کوئی مقابلہ کر کے روک سکتا ہے اور نہ اسکے غلبہ و
اقتدار کے پنجے سے نکل کر بھاگ سکتا ہے، وہی پوری طرح خبردار ہے کہ
کس بندے کے کیا حالات ہیں اور ان حالات کے مطابق کس قسم کی
کارروائی قرینِ حکمت ہوگی،
اب ذرا دیر کیلئے یہ دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی
کیا تفسیر کی ہے "عن ابنِ مسعودٍ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلّم من اصابتہُ فاقۃٌ فانزلھا بالنّاسِ لَمْ تُسَدَّ فاقتُہُ ومَنْ انزلھا
باللہِ اَوْشَکَ اللہُ لہٗ بالغنیٰ اِمّا بموتٍ عاجلٍ او غِنیً آجلٍ" (ابوداؤد والترمذی)
حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی سخت حاجت پیش آئی اور

اس نے اسکو لوگوں پر ظاہر کر دیا اور ان سے حاجت روائی چاہی تو اسکی حاجت پوری نہیں کیجائیگی اور جس نے اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو اللہ اس کو جلد فائدہ پہونچائے گا، یا تو فوری موت دیدیگا کہ مصیبت سے نجات پائے یا آگے چل کر مالدار کر دے گا،

علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس آیت سے لی گئی ہے "وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ" اور جو اللہ سے ڈر کر تقویٰ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مصیبت سے نکلنے کی جگہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو بے سان وگمان روزی عطا کرتا ہے اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اس کیلئے کافی ہے۔

دختران ملّت! نماز کی پابندی میں بھی آپ بہت پیچھے ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا، کیا آپ نے یہ آیت نہیں پڑھی "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" اے اہل ایمان اپنے آپکو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم سردیوں میں جبکہ پت جھڑ ہو رہی تھی باہر نکلے، آپؐ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو جھکایا تو ان سے پتے جھڑنے لگے، آپؐ نے مجھے پکارا، اے ابوذر! میں نے عرض کیا حاضر ہوں اے اللہ کے رسول فرمایا، جب بندہ محض اللہ کی رضا کیلئے نماز پڑھتا ہے تو جس طرح پت جھڑ میں یہ پتے جھڑ رہے ہیں اسی طرح نمازی کے جسم سے گناہ جھڑتے ہیں

نماز میں سستی کرنا منافقوں کی علامت ہے " وَاِذَا قَامُوْا اِلَی الصَّلٰوۃِ قَامُوْا کُسَالٰی " منافق جب نماز کیلئے اٹھتے ہیں تو الکساتے ہوئے، ہارے جی سے اٹھتے ہیں ۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ منافق بننا پسند کریں گی؟ آپ جواب میں کہیں گی، ہرگز نہیں! تو پھر خدا کیلئے نمازوں کی سستی کو دور کرو! اور وقت پر بلا ناغہ نماز پڑھو، اور بچّوں اور بچیوں کی عادت ڈالو تاکہ وہ تمہارے لئے قبر میں ٹھنڈک کا سامان بنیں، پہلے وصف یعنی عبادت پر جو مجھے کہنا تھا کہہ چکا اب دوسرے وصف کا ذکر کیا جائے ۔

خواتین کا دوسرا وصف یا ان کی دوسری خوبی امومت ہے، امومت سے ہماری مراد بہترین اور مثالی ماں بننا ہے، امومت کا مقام کتنا محترم اور معظم ہے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ زیر قدم والدہ فردوس بریں ہے "عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ جَاهِمَةَ اَنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَدْتُ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِيْرُكَ، فَقَالَ: هَلْ لَكَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ نَعَمْ، قَالَ فَالْزَمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلِهَا" (مسند احمد والنسائی) جاہمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے معاویہ راوی ہیں کہ ان کے باپ جاہمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول، میں نے غزوے میں جانیکا ارادہ کیا ہے، آپ کی کیا رائے ہے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری ماں زندہ ہے؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا تو پھر ماں سے چمٹے رہو، اسکو تنہا چھوڑ کر مت جاؤ کیونکہ جنت اس کے قدموں کے نیچے ہے ۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ

فَسَمِعْتُ فِيهَا قِرَاءَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوا حَارِثَةُ ابْنُ النُّعْمَانِ كَذَالِكُمُ الْبِرُّ، كَذَالِكُمُ الْبِرُّ وَكَانَ اَبَرَّ النَّاسِ بِاُمِّہٖ" (شرح السنۃ اور بیہقی)

حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو اس میں میں نے قرارت کی آواز سنی تو میں نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ حارثہ ابن نعمان ہیں، دیکھو صلہ رحمی کی یہ برکت ہے، دیکھو صلہ رحمی کی یہ برکت ہے۔ واقعہ یہ ہیکہ حارثہ اپنی ماں کے بڑے اطاعت گذار تھے، امومت یعنی ماں بننے کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ایسی نسل کی تربیت کی جائے جو پختہ سیرت اور پختہ کردار کی حامل ہو یہ وہ ذمہ داری ہے جس کا اللہ تعالیٰ کو حساب دینا پڑے گا، وہاں ماؤں سے سوال کیا جائیگا کہ انھوں نے اپنے بچوں کی دینی تربیت کی یا نہیں، ماں کی گود پہلا مکتب ہے، اس مکتب میں اگر دینی شعور اور مذہبی احساس پیدا کر دیا گیا تو وہ پتھر کی لکیر ہو گیا ے

نیک اگر بینی امومت رحمت است ؛ زانکہ اورا با نبوت نسبت است
شفقت او شفقت پیغمبر است ؛ صورت اقوام را سیرت گر است
ماں او فرزند ہائے تندرست ؛ تر دماغ و سخت کوش و چاق و چست
حافظ رمز اخوت مادراں
قوت قرآن و ملت مادراں

اگر تو غور سے دیکھے تو امومت میں بھی شان رحمت پائی جاتی ہے، کیونکہ اسکو نبوت سے ایک گونہ نسبت حاصل ہے، ماں کی شفقت میں پیغمبر کی شفقت کا عکس نظر آتا ہے، جس کی بدولت قوموں کی سیرت کی

تشکیل ہوتی ہے، ماں کی آغوش دراصل ہماری اوّلین اور بہترین تربیت گاہ ہے اسی کی آغوش میں ہماری سیرت بنتی ہے، اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جیسی آغوش مادر ویسی ہی تربیت، اور جیسی تربیت ویسی ہی تقدیر، ماں ہی وہ ہستی ہے جو مسلمان بچّے کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی محبّت پیدا کرتی ہے، تمام عاشقان حق نے اسی کی آغوش میں تربیت پائی ہے اگر ماں کے دل میں اسلام کی محبّت ہے تو اس کی اولاد میں یہ رنگ ضرور نمایاں ہوگا، مثل ہے جیسی مائی ویسی جائی" یعنی جیسی ماں ویسی ہی اولاد۔

وہ دیہقانی لڑکی جو بالکل گنوار، جاہل، پستہ قد، موٹی، بھدّی، اور بدصورت ہو، نہ اس نے کسی اسکول میں تعلیم پائی ہو، نہ جلسوں میں تقریریں کی ہوں، نہ رقص وسرود سے واقف ہو، نہ فیشن سے آگاہ ہو، بلکہ بچّے پالنے کی مصیبت میں گرفتار ہو — تاہم اگر وہ ایک غیور اور حق پرست مسلمان پال پوس کر قوم کو دیدے تو اسکی یہ مصیبت سہل ہو جائیگی، کیونکہ قوم کی ہستی محکم ہو جائے گی۔

لہٰذا اے صاحبِ نظر! قوم کا سرمایہ سونا، چاندی یا اسٹرلنگ یا لوہا نہیں ہے، بلکہ تندرست اور چاق وچست نوجوان ہیں، اور چونکہ ان کا وجود ماؤں کے وجود پر موقوف ہے، اس لئے قرآن اور ملّت دونوں کیلئے ماؤں کا وجود طاقت کا سرچشمہ ہے۔

خواتین اسلام! اب میں تیسرے وصف پر آتا ہوں، تیسری خوبی جو عورت کا زیور ہے، اور اس سے اسکی زینت ہے، وہ ہے اسکی نصیحت یعنی شوہر کی خیر خواہی، پرورش اولاد، حفاظت مال ومتاع، پارسائی و پاکدامنی، شوہر کی نیک نامی کی فکر اور اس کی خوشنودی کا خیال

غرضیکہ خیر خواہی کا لفظ سب کو جامع ہے، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آپ گھر کی منتظم ہیں، شوہر کے مال اور اس کی اولاد کی نگراں ہیں خدا کے سامنے آپ کو اس کا جواب دینا ہے، حدیث شریف میں ہے، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ "یعنی بیوی شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ہے، لہذا ہر شخص ذمہ دار ہے، اور ہر ایک اپنی ذمہ داری کے بارے میں جوابدہ ہے، اس ذمہ داری کو آپ اسطرح نباہیں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت سے غفلت نہ برتیں اور مال میں فضول خرچی سے پرہیز کریں، فضول خرچی شیطانی کام ہے، تعلیم کیلئے خواہ آپکو ایک وقت کا فاقہ کرنا پڑے اور موٹے جھوٹے کپڑے پہننے پڑیں، آپ ہر قیمت پر بچوں اور بچیوں کو تعلیم دلوائیں سب سے پہلے قرآن پاک اور دین کی بنیادی باتوں کی تعلیم دی جائے اس کے بعد آپ مزید تعلیم کیلئے اختیار رکھتی ہیں، دینی تعلیم دیں یا دنیاوی۔

پارسائی و پاکدامنی کا شریعت میں اتنا اہتمام ہے کہ نظر اور ہاتھ اور پیر کا غلط استعمال بھی ایک قسم کی بدکاری ہے، للچائی ہوئی نظروں سے کسی کو دیکھنا اور خواہش سے کسی اجنبی کو چھونا اور نامحرم سے ملنے کیلئے دو قدم چلنا، آنکھوں کا، ہاتھوں کا اور پیروں کا زنا ہے، اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ اس کے بعد پھر حقیقی زنا کا صدور ہو جاتا ہے، جو جانور مینڈ پر چرتا ہے، قرین قیاس یہی ہے کہ وہ کھیت میں بھی چرے گا، حدیث کا منشاء یہ ہیکہ زنا سے بچنے کیلئے ضروری ہے کہ نگاہوں اور ہاتھوں کو بھی پاک رکھا جائے، انھیں آلودہ نہ ہونے دیا جائے ؎

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب ؛ آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جاں ہو گیا

شوہر کی خیرخواہی میں صبر وقناعت بھی داخل ہے اور یہ بھی کہ حتی الامکان شوہر کی پردہ داری کیجائے، اس کا کوئی عیب اگر قابل تحمل ہے تو اسکا افشا نہ کیا جائے "هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ" وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک صاحبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں عورتوں کی طرف سے نمائندہ بن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں، قیامت تک جو عورت بھی میری بات سنے گی اس کو اس سے خوشی ہوگی، اللہ مردوں کا بھی رب ہے اور عورتوں کا بھی، اور آدم علیہ السلام مردوں کے بھی باپ ہیں اور عورتوں کے بھی اور حوا علیہا السلام مردوں کی بھی ماں ہیں اور عورتوں کی بھی اور آپ مردوں کیلئے بھی رسول ہیں اور عورتوں کیلئے بھی "كَتَبَ اللّٰهُ الْجِهَادَ عَلَى الرِّجَالِ فَاِنْ اسْتُشْهِدُوْا كَانُوْا اَحْيَاءً عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ وَاِنْ مَاتُوْا وَقَعَ اَجْرُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَاِنْ رَجَعُوْا اَجَرَهُمُ اللّٰهُ، وَنَحْنُ النِّسَاءُ نَقُوْمُ عَلَى الْمَرْضٰى وَنُدَاوِي الْجَرْحٰى، فَمَا لَنَا مِنَ الْاٰخِرَةِ؟ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَا وَافِدَةَ النِّسَاءِ، اَبْلِغِيْ مَنْ لَقِيْتِ مِنَ النِّسَاءِ، اَنَّ طَاعَةَ الزَّوْجِ وَاعْتِرَافًا بِحَقِّهٖ يَعْدِلُ ذٰلِكَ كُلَّهٗ (التَّرْغِيْبُ وَالتَّرْهِيْبُ ج ۴ ص ۱۲ رواه البزار والطبراني) اللہ نے مردوں پر جہاد فرض کیا ہے، اگر وہ شہید ہوگئے تو وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں ان کو روزی ملتی ہے اور اگر اپنی موت مرے تو بھی ان کا اجر اللہ کے ذمہ ثابت ہوگیا اور اگر وہ زندہ لوٹ کر آئے تو بھی اللہ تعالیٰ

اجر عطا فرمائے گا، اور ہم خواتین بیماروں کی تیمارداری کرتی ہیں اور زخمیوں کا علاج کرتی ہیں ہمارے لئے آخرت میں کیا ہے، یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عورتوں کی طرف سے آنیوالی خاتون! جس عورت سے بھی تیری ملاقات ہو اسکو یہ پیغام پہونچا دے کہ شوہر کی فرمانبرداری اور اس کے حق کا اعتراف ایسی نیکی ہے جو مردوں کی ان تمام نیکیوں کے برابر ہے۔

میری بہنو یہ ہے کا شوہر کا مرتبہ اور اسکی اطاعت کا ثواب ایک دوسری حدیث میں ہے "المرأۃ اذا صلّت خمسَہا وصامت شہرَہا وَاطَاعت بعلَہا وَاحصنت فرجَہا فلتدخل من ای ابواب الجنۃ شاءت" عورت جب پنجوقتہ نماز پڑھتی ہے اور پورے رمضان کے روزے رکھتی ہے اور شوہر کی فرمانبرداری کرتی ہے اور دامن کو پاک رکھتی ہے تو اس کیلئے جنت کے آٹھوں دروازے کھولدئے جاتے ہیں کہ جو نسے دروازے سے چاہے داخل ہو جائے، میں اپنے بھائیوں اور بزرگوں سے عرض کرتا ہوں کہ بیویوں کے بارے میں اللہ سے ڈریں، شوہر پر فرض ہے کہ جو خود کھائے وہی بیوی کو کھلائے، جیسا خود پہنے ویسا بیوی کو پہنائے اور اسکو گھر سے باہر نہ نکالے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری لمحات میں فرمایا تھا "اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیرًا، اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیرًا، اِستَوصُوا بِالنِّسَاءِ خَیرًا" عورتوں کیساتھ اچھے سلوک کی وصیت کو قبول کرو، عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کو قبول کرو، عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی وصیت کو قبول کرو۔

اب بات ختم ہونے کو ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ آپکے سامنے نمونے کے

طور پر ایک تاریخی اور مثالی خاتون کو رکھدیا جائے، انکی تابناک زندگی آپکے لئے آئینہ کا کام دے گی، اس آئینہ سے آپ اپنی سیرت کے خط وخال کو درست کرسکتی ہیں، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شاید آپ کسی قدر واقف ہوں اور اگر بدقسمتی سے آپ ان سے واقف نہیں ہیں، تو لیجئے اب واقفیت حاصل کیجئے، حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بذاتِ خود تو عظیم تھیں ہی، فاطرِ ہستی نے ان کو بہت سی خارجی عظمتوں سے بھی نوازا تھا، اتنی عظیم خاتون اگر فقر اور قناعت اور اطاعتِ زوج کی زندگی بسر کرتی ہے، تو پھر دیگر خواتین کیلئے تعیّش، حرص اور خود سری و سرکشی کا جواز کہاں سے فراہم ہوگا؟

ع زشت باشد روئے نازیبا وناز

یہ تو وہی بات ہوگئی کہ صورت وشکل کچھ بھی نہیں اور ناز نخرے حد سے زیادہ

حضرت اسماء وہ عظیم خاتون ہیں جو خود بھی صحابیہ ہیں اور انکے والد بھی صحابی ہیں، ان کے دادا بھی صحابی ہیں، ان کے شوہر بھی صحابی ہیں ان کا بیٹا بھی صحابی ہے، ان کی بہن بھی صحابیہ ہیں۔

باپ تو صدیق اکبر ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیل اور آپکی وفات کے بعد آپکے خلیفہ ہیں، اور دادا صدیق اکبر کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور شوہر حواریِ رسول حضرت زبیر ابن عوام ہیں اور بیٹے شیر خدا حضرت عبد اللہ ابن زبیر ہیں اور بہن ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں، حضرت اسماء مسلماتِ سابقات میں سے ہیں انسے پہلے صرف سترہ نفر اسلام لائے تھے، اٹھارویں آپ تھیں، گویا اسلام کی خشتِ اوّل تھیں، آپ کو ذات النطاقین بھی کہا

جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقعہ پر ایک دفعہ آپ کیلئے کھانا اور پانی بھیج رہی تھیں، لیکن توشہ دان اور مشکیزے کا منہ باندھنے کیلئے کوئی چیز نہیں مل رہی تھی تو فوراً اپنی پیٹی جو کمر میں بندھی ہوئی تھی اسکو کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ایک ٹکڑے سے دونوں کا منہ باندھ دیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا، تو آپکی زبانِ مبارک سے یہ دعا نکلی "اَنْ یُبْدِلَهَا اللّٰهُ مِنْهُمَا نِطَاقَیْنِ فِی الْجَنَّةِ" اللہ تعالیٰ اسمار کو اس کے عوض جنت میں دو پیٹیاں عطا فرمائے اسی وقت سے ان کو ذات النطاقین کہا جانے لگا۔

حضرت اسمار کا نکاح حضرت زبیر ابن عوام سے ہوا، وہ ایک غریب آدمی تھے جن کے پاس نہ نوکر چاکر تھے جو گھر کا کام کر دیا کرتے، نہ اتنا مال تھا کہ اہل وعیال فراغت اور فراخی کی زندگی بسر کرتے، ہاں ایک گھوڑا ضرور پلا ہوا تھا جو جہاد کیلئے تھا، یہ غربت کا زمانہ حضرت اسمار نے جس صبر وقناعت اور محنت ومشقت سے بسر کیا ہے وہ ہر خاتون اسلام کیلئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

حضرت اسمار گھر کا کام کاج بھی کرتیں اور گھوڑے کی دیکھ بھال بھی کرتیں اسکو چرانے لیجاتیں اور باغات سے اس کیلئے کھجوریں سمیٹ کر لاتیں پھر ان کو پیس کر گھوڑے کو کھلاتیں، پھر ایک وقت وہ بھی آیا جب حضرت زبیرؓ کا شمار مالدار ترین صحابہ میں ہونے لگا۔

حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جس حالت میں مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی وہ بھی ان کی ہمت وعزیمت اور عشقِ رسول کی دلیل ہے آپ اس وقت حمل سے تھیں اور حمل کے ایام پورے ہو چکے تھے، ایسی

حالت میں لمبے سفر کی مشقت اٹھانا سب کے بس کی بات نہیں، آپ قبا تک پہونچیں تھیں کہ بچے کی پیدائش ہوئی جن کا نام نامی حضرت حضرت عبداللہ ابن زبیر ہے، مدینہ میں مہاجرین کا یہ سب سے پہلا بچہ تھا، اسلئے مہاجرین بہت خوش ہوئے اور ان کی تکبیر و تہلیل سے فضا گونج اٹھی۔

حضرت اسماء بچہ کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچیں اور بچہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں رکھدیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب دہن بچہ کے منہ میں ڈالا اور ذراسی کھجور چبا کر بچہ کے تالو میں لگائی اور دعا دی، چنانچہ سب سے پہلے جو چیز بچہ کے پیٹ میں داخل ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا۔

حضرت اسماء کے شمائل و خصائل کی فہرست میں یہی چند باتیں نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو ان خوبیوں کے سوا مزید ایسی خوبیوں سے نوازا تھا، جو شاذ و نادر ہی مردوں یا عورتوں کے حصے میں آئی ہیں، انکی سخاوت ضرب المثل تھی، چنانچہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن زبیر کا بیان مَا رَأَیْتُ اِمْرَأَتَیْنِ قَطُّ اَجْوَدَ مِنْ خَالَتِیْ عَائِشَةَ وَاُمِّیْ اَسْمَاءَ، لٰکِنْ جُوْدُهُمَا مُخْتَلِفٌ، اَمَّا خَالَتِیْ فَکَانَتْ تَجْمَعُ الشَّیْءَ اِلَی الشَّیْءِ حَتّٰی اِذَا اجْتَمَعَ عِنْدَهَا مَا یَکْفِیْ قَسَمَتْهُ بَیْنَ ذَوِی الْحَاجَاتِ، وَاَمَّا اُمِّیْ فَکَانَتْ لَا تُمْسِكُ شَیْئًا اِلَی الْغَدِ" میں نے دو عورتوں سے زیادہ کسی کو سخی نہیں دیکھا ایک میری خالہ حضرت عائشہ اور دوسری میری ماں حضرت اسماء، لیکن دونوں کی سخاوت میں تھوڑا سا فرق تھا، ہماری خالہ جمع کرتی رہتی تھیں جب وہ چیز معقول مقدار میں ہو جاتی تو محتاجوں میں تقسیم کر دیتیں، اور ہماری ماں اگلے دن کیلئے کچھ بچا کر رکھتی ہی نہیں تھیں۔

حضرت اسماء رجاحتِ عقل اور حسنِ تدبیر اور نازک موقعوں پر قوتِ فیصلہ میں بھی ممتاز تھیں، حضرت ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب ہجرت کی تو اہل خانہ کو یہ تشویش ہوئی کہ اب سب کی گذربسر کس طرح ہوگی، اسوقت حضرت اسماء کی عقلمندی اور حسنِ تدبیر نے یہ تشویش رفع کردی اور حضرت ابوبکر کے چلے جانے کے بعد گھر میں جو کہرام بپا ہونے والا تھا، اسکو رفع کردیا، ہجرت کرتے وقت حضرت ابوبکر کے پاس چھ ہزار درہم تھے، آپ پوری رقم اپنے ساتھ لئے چلے گئے، اہل وعیال کے لئے کچھ نہیں چھوڑا ؎

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدّیق کے لئے ہے خدا کا رسول بس

جب حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ کو اس کا علم ہوا تو وہ حضرت ابوبکر کے گھر آئے، ابو قحافہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، انھوں نے آکر حضرت اسماء سے کہا "وَاللہِ اِنِّی لَاُرَاہُ قَدْ فَجَعَکُمْ بِمَالِہٖ بَعْدَ اَنْ فَجَعَکُمْ بِنَفْسِہٖ" بخدا میرے خیال میں ابوبکر نے تم کو جانی اور مالی دونوں طرح کے بحران میں مبتلا کر دیا ہے، اسوقت حضرت اسماء نے فرمایا: کَلَّا یَا اَبَتِ اِنَّہٗ قَدْ تَرَکَ لَنَا مَالًا کَثِیْرًا" نہیں دادا جان ہرگز نہیں، وہ ہمارے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں، اس کے بعد انھوں نے بہت سے ٹھیکروں کے ٹکڑے لئے اور جس طاقچہ میں پیسے رکھے جاتے تھے اسمیں رکھدئے اور اوپر سے ایک کپڑا ڈالدیا پھر اپنے دادا جو نابینا تھے، ان کا ہاتھ پکڑا اور ان ٹھیکروں پر رکھکر کہنے لگیں، دادا جان دیکھئے! وہ ہمارے لئے کتنا مال چھوڑ کر گئے ہیں، ابو قحافہ نے کہا جب وہ تملوگوں کیلئے اتنا کچھ چھوڑ

گئے ہیں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں، حضرت اسمار نے یہ اس لئے کیا کہ ابو قحافہ مطمئن ہو جائیں اور اپنی رقم میں سے ان لوگوں کو کچھ نہ کھلائیں کیونکہ اس وقت ابو قحافہ مشرک تھے، اور حضرت اسمار ایک مشرک کا احسان نہیں اٹھانا چاہتی تھیں ۔

حضرت اسمار کے پاسِ شریعت اور اطاعت خدا و رسول کا ایک عجیب و غریب نمونہ اس وقت سامنے آیا جب انکی سگی ماں مکّہ سے چل کر مدینہ آئیں، تاکہ اپنے لختِ جگر کی ملاقات سے کلیجہ کو ٹھنڈا کریں، ماں کو دیکھ کر بیٹی کا دل مچلنے لگا، زبان مرحبا کہنے کیلئے اور پیر تپاک استقبال کرنے کیلئے بے چین ہو گئی، ہاتھ ان سے بغل گیر ہونے کیلئے بیتاب ہونے لگے قدم انکی پیشوائی میں آگے بڑھنے کیلئے مضطر ہو گئے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ماں مشرکہ تھی، اور قرآن کریم نے ہدایت کی تھی کہ مشرکین سے محبت نہ کرو

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۔

جو لوگ اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں انھیں آپ ایسا نہ پائیں گے کہ وہ دشمنانِ خدا و رسول سے محبت رکھیں، چاہے وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا خاندانی ہوں ۔

عجب کشمکش کا عالم ہے ؎

یک طرف جام شریعت یک طرف سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

بقول حضرت جگر ؎

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے ؛ عشق ہے کارِ شیشہ و آہن

حضرت اسمار نے اپنے تمام جذبات کو قابو میں رکھا اور سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری ماں آئی ہوئی ہے، کیا میں اس کے ساتھ حسن سلوک کر سکتی ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں ۔

تاریخ حضرت اسمار کے تمام زرّیں کارناموں کو بھلا سکتی ہے، لیکن ایک ان کا کارنامہ ایسا ہے جسکو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی، اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ نے حضرت اسمار کو کتنی عقل، کتنی دانائی، کتنی دلیری، اور کس قدر پختہ ایمان و یقین عطا فرمایا تھا اور وہ کتنی زبردست قوت فیصلہ کی مالک تھیں ۔

واقعہ یہ ہیکہ یزید ابن معاویہ کے انتقال کے بعد حرمین کے لوگوں نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لی، پھر دھیرے دھیرے مصر، عراق، خراسان اور شام کا اکثر علاقہ انکی قلمرو میں آگیا، بنو امیہ اسکو کہاں برداشت کر سکتے تھے، انھوں نے حجاج ابن یوسف کی قیادت میں ایک لشکر جرّار حضرت عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کیلئے روانہ کر دیا، فریقین میں گھمسان کا رن پڑا، حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اس جنگ میں اپنی مردانگی کے خوب جوہر دکھائے، لیکن آپ کے انصار و مددگار دھیرے دھیرے آپ کے پاس سے کھسکنے لگے، یہ صورت حال دیکھ کر آپ نے حرم شریف میں پناہ لے لی، اسی دوران بنو امیہ کی طرف سے مصالحت کی پیشکش کی گئی، حضرت عبداللہ نے ضروری سمجھا کہ اس بارے میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسمار رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مشورہ کریں چنانچہ انکی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ تقریباً سو سال کی ہو چکی

تھیں اور بنائی جاتی رہی تھی، عبداللہ ابن زبیر نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا اُمَّاهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ" حضرت اسماء نے جواب دیا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ" اس کے بعد کہنے لگیں: عبداللہ! حجاج کی منجنیقیں حرم شریف پر پتھر برسا رہی ہیں، پورے مکّہ کے مکانات پتھر کی دھمک سے ہل رہے ہیں، ایسی حالت میں تمہارا یہاں آنا کیا ضروری تھا؟

حضرت عبداللہ نے عرض کیا، میں آپ سے مشورہ کرنے آیا ہوں،
حضرت اسماء نے فرمایا مجھ سے مشورہ...... ! کس سلسلے میں مشورہ چاہتے ہو، حضرت عبداللہ نے عرض کیا، امّا جان! صورتِ حال یہ ہے کہ لوگوں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے، اور ایک ایک کر کے میرے پاس سے بھاگ گئے ہیں، صرف تھوڑے سے لوگ میرے پاس رہ گئے ہیں، اور وہ خواہ کتنے ہی بہادر کیوں نہ ہوں، صرف دو گھنٹے کے مہمان ہیں، جنگ کی صورتِ حال تو یہ ہے، ادھر بنو امیّہ نے صلح کا پیغام بھیجا ہے کہ اگر ہتھیار ڈال دو اور عبدالملک ابن مروان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کر لو، تو جتنا مال و متاع اور زمین و جائیداد چاہو لے لو، تو فرمائیے آپ کی کیا رائے ہے؟
یہ سن کر حضرت اسماء نے گرجدار آواز میں کہا عبداللہ! تم اپنے معاملہ کو اچھی طرح سمجھتے ہو، لہٰذا تم کو پورا اختیار ہے، میری رائے یہ ہے کہ اگر تمہارا خیال ہے کہ تم حق پر ہو، اور لوگوں کو حق کی طرف بلا رہے ہو تو تمہیں ثابت قدمی اور شجاعت کا مظاہرہ کرنا چاہئے، جیسا کہ تمہارے ان ساتھیوں نے مظاہرہ کیا جو تمہارے جھنڈے کے نیچے شہید ہوئے، اور اگر تمہارا مقصود دنیا تھی، تو یقیناً تم بدترین انسان ہو کہ خود کو بھی ہلاک کیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی ہلاک کیا۔

حضرت عبداللہ نے کہا: لیکن آج میرا شہید ہونا طے شدہ ہے، حضرت اسمار نے فرمایا، یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ تم اپنے آپ کو حجاج کے حوالہ کر دو، پھر تم سے بنو امیہ کے لڑکے کھلواڑ کریں۔

لَقَدۡ عِشۡتَ کَرِیۡمًا فَمُتۡ وَاَنۡتَ کَرِیۡمٌ، "تم عزت کے ساتھ زندہ رہے لہٰذا تم کو عزت کی موت اختیار کرنی چاہیئے۔

حضرت عبداللہ نے کہا مجھے موت کا ڈر نہیں، مجھے صرف اس بات کا ڈر ہے کہ وہ مجھے مثلہ کریں گے۔ حضرت اسمار نے فرمایا: موت کے بعد میّت سے جو سلوک کیا جائے اسکی فکر نہیں کرنی چاہیئے، بکری کو جب ذبح کر دیا گیا تو پھر اس کے بعد چاہے اس کی کھال اتار دی جائے اور چاہے اس کی بوٹیاں کر دی جائیں۔

ماں کا یہ مومنانہ اور جراُتمندانہ جواب سن کر حضرت عبداللہ کا چہرہ مسرت سے دمک اٹھا اور کہنے لگے، اماں جان! آپ مبارک ہیں اور آپکی صفات عظیمہ مبارک ہیں، اماں جان! میں آپ کے منہ سے اسیطرح کی باتیں سننے کیلئے آیا ہوں، اور اللہ گواہ ہے کہ میرے اندر وہن اور ضعف پیدا نہیں ہوا اور خدا شاہد ہے کہ جو کچھ میں نے کیا دنیا اور زینت دنیا کی محبت میں نہیں کیا، بلکہ اللہ کیلئے کیا اور اس بات پر غضبناک ہو کر کیا کہ اللہ کی حرام کردہ چیزیں حلال کی جارہی ہیں اور اب میں اس چیز کی طرف جارہا ہوں جسے آپ پسند کرتی ہیں، تو جب میں شہید ہو جاؤں تو رنج نہ کیجئے گا اور اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کیجئے گا، حضرت اسمار نے کہا مجھے رنج اس وقت ہوتا جب تم باطل پر جان دیتے، حضرت عبداللہ نے کہا آپ مطمئن رہیئے، آپ کے بیٹے نے کبھی کسی منکر کا قصداً

ارتکاب نہیں کیا اور نہ کوئی بے حیائی کا کام کیا ہے، اور نہ اللہ کے حدود سے تجاوز کیا، اور نہ کسی کو امان دیکر غداری کی ہے، نہ کسی مسلمان یا غیر مسلم پر ظلم کیا ہے۔

اور آپ کے بیٹے کے نزدیک اللہ عزّ وجلّ کی خوشنودی سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں رہی، یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ اپنی پاکیزگی جتاؤں، اس کا علم تو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ہے، بلکہ اسلئے کہہ رہا ہوں کہ آپ کو صبر آجائے، حضرت اسماء نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَکَ عَلٰی مَا یُحِبُّ وَ اُحِبُّ، شکر ہے اللہ کا جس نے تم کو اس حالت پر رکھا جو مجھے بھی پسند ہے اور اس کو بھی پسند ہے۔

بیٹا! ذرا مجھ سے قریب ہو جاؤ، تا کہ تم کو سونگھ لوں اور تمہارے جسم پر ہاتھ پھیر لوں، یہ تمہاری آخری یادگار ہوگی جو میرے پاس رہے گی حضرت عبد اللہ ماں کی گود میں بیٹھ گئے، ماں نے سر اور چہرہ اور گردن سونگھی اور چہرے کو چوما۔ اور ان کے جسم پر ہاتھ پھیرا، پھر کہنے لگیں عبد اللہ! تم نے یہ کیا پہن رکھا ہے، حضرت عبد اللہ نے جواب دیا: زرہ حضرت اسماء نے فرمایا: بیٹا یہ اس کا لباس نہیں ہے جو شہادت کا قصد رکھتا ہے، حضرت عبد اللہ نے کہا میں نے تو صرف آپ کی تسکینِ قلب اور تطییبِ خاطر کیلئے اس کو پہن رکھا ہے۔

حضرت اسماء نے فرمایا: بیٹا! اس کو اتار دو، اس میں شجاعت کا بھی اظہار ہے اور اس سے ہلکے پھلکے بھی ہو جاؤ گے تو کودنے اور اچھلنے میں بھی سہولت ہو گی، اس کے عوض پائجامہ دوہرا کر لو، تاکہ اگر تم زخمی ہو کر گرو تو کشفِ عورت نہ ہو، حضرت عبد اللہ نے زرہ اتار دی

اور پائجامہ کس کر باندھ لیا، اور حرم شریف کی طرف جنگ کیلئے روانہ ہوگئے، جاتے ہوئے ماں سے درخواست کی کہ اماں جان، دعائیں برابر یاد رکھئے گا، حضرت اسماء نے دعا کیلئے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا "اللّٰھُمَّ ارْحَمْ طُولَ قِیَامِہٖ وَشِدَّۃَ نَحِیْبِہٖ فِی سَوَادِ اللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ" خدایا عبداللہ پر رحم فرما، اسلئے کہ وہ رات بھر تیرے حضور میں کھڑا رہتا ہے، اور اندھیری رات میں جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں وہ زار و قطار روتا ہے، اللّٰھُمَّ ارْحَمْ جُوْعَہٗ وَظَمَاءَہٗ فِی ھَوَاجِرِ الْمَدِیْنَۃِ وَمَکَّۃَ وَھُوَ صَائِمٌ" خدایا عبداللہ پر رحم فرما! کیونکہ وہ روزہ رکھ کر مدینہ اور مکّہ کی دوپہر میں بھوک اور پیاس برداشت کرتا ہے، "اللّٰھُمَّ ارْحَمْ بِرَّہٗ بِأَبِیْہِ وَأُمِّہٖ" خدایا عبداللہ پر رحم فرما کیونکہ وہ اپنے والدین کا انتہائی اطاعت گزار اور فرماں بردار ہے، اے اللہ میں نے اس کو تیرے حکم کے حوالے کیا اور اس کے بارے میں تیرا جو فیصلہ ہو اس پر میں راضی ہوں، میں نے عبداللہ پر صبر کیا، لہٰذا مجھے صبر کرنے والوں کا ثواب عطا فرما۔

آخرکار حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے دشمن کے سامنے سپر انداز ہونے سے انکار کردیا اور دن کے آخری لمحات میں جام شہادت نوش فرمایا۔

ادھر بیٹے کی شہادت کی خبر پاکر ماں بھی دو ہفتہ سے زیادہ زندہ نہیں رہیں اور اپنے بیٹے سے جاملیں، اس وقت حضرت اسماء کی عمر پورے سو سال کی تھی اور صحت کا یہ عالم تھا کہ نہ کوئی دانت گرا تھا، اور نہ کوئی ڈاڑھ اور نہ ذرہ برابر عقل میں کوئی فتور آیا تھا۔

حاضرین کرام! غور فرمائیے عمر کے اس مرحلے میں بوڑھی ماں کا اپنے بیٹے کو عزت کی موت مرنے کی تلقین کرنا اور شہادت پر آمادہ کرنا کس قدر جرأت آموز اور حیرت انگیز کارنامہ ہے گویا ایمان و اسلام اپنی تربیت پر فخر کر رہا ہے کہ

اس قدر کر دوں گا ماؤں کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

اگر یورپ میں کوئی ماں ایسا کارنامہ انجام دیتی تو ہیرو بنا کر پیش کیا جاتا، لیکن ایشیا اور خاص کر عالم اسلام اپنی تاریخ سے غافل ہے اس کو اپنی تاریخ پر فخر کرنا نہیں آتا۔

کاش خواتین اس زرین تاریخ سے سبق لیں، اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نمونہ بن کر دکھائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

تقریر بست و دوم

حقوق والدین

اما بعد : فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا، اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا، فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا،
وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ، وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا،
رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِیْ نُفُوْسِکُمْ اِنْ تَکُوْنُوْا صٰلِحِیْنَ فَاِنَّہٗ کَانَ لِلْاَوَّابِیْنَ غَفُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل ۲۵)

اور تیرا رب یہ حکم کرچکا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو، اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو ان سے اُف نہ کرو، اور نہ ان

کو جھڑکو، اور ان سے شریفانہ بات کرو، اور ان کے آگے عاجزی کے کندھے شفقت کی وجہ سے جھکا دو، اور دعا کرو کہ اے میرے پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انھوں نے میری بچپن میں پرورش کی، تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہے، اگر تم نیک ہوگے تو وہ رجوع کرنیوالوں کو بڑا بخشنے والا ہے ۔

حضارِ محفل! آیئے آج اللہ کی بے بدل نعمت کا ذکر کریں، آیئے آج پیکرِ خلوص ووفا کا ذکر کریں، آیئے آج ان کا ذکر کریں جنکی خوشنودی اللہ کی خوشنودی ہے اور جنکی خدمت جنت کی ضمانت ہے، مگر افسوس کہ میرا اشارہ جن دو ہستیوں کی طرف ہے ان سے زیادہ مظلوم دنیا میں کوئی نہیں ہے، کون ہیں وہ دو مظلوم ہستیاں ؟ وہ دو مظلوم ہستیاں ماں اور باپ ہیں ۔

میں نے جن آیات کی تلاوت کی ہے ان کا خلاصہ یہ ہیکہ اللہ تعالیٰ تو حقیقۃً بچے کو وجود عطا فرماتا ہے، لیکن والدین اس کے وجود کا ظاہری ذریعہ ہیں، اس لئے کئی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ساتھ والدین کے حقوق ذکر کئے گئے ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اور انکی خدمت کرکے جنت نہ حاصل کی، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے والدین کے ساتھ بھلائی کرنا یہ ہے کہ زندگی میں انکی جان ومال سے خدمت اور دل سے تعظیم ومحبت کرے، مرنے کے بعد ان کا جنازہ پڑھے ان کیلئے دعا واستغفار کرے، حتی الامکان ان کا عہد پورا کرے، انکے دوستوں کے ساتھ تعظیم وحسنِ سلوک سے اور ان کے اقارب کے ساتھ

صلہ رحمی سے پیش آئے، چونکہ بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے، جس سے بعض اوقات اہل وعیال بھی اکتانے لگتے ہیں اور زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے، اس لئے سعادت مند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بوڑھے والدین کی خدمت گزاری وفرمانبرداری سے جی نہ ہارے، قرآن نے تنبیہ کی کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا، ان کے مقابلے میں زبان سے "ہوں" بھی مت کرو بلکہ بات کرتے وقت پورے ادب وتعظیم کو ملحوظ رکھو، سعید ابن مسیّب نے فرمایا: اس طرح بات کرو جیسے ایک خطاوار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے۔

قرآن کریم نے ہر شخص کو اس کا ماضی یاد دلایا کہ جب میں بالکل کمزور ناتواں تھا، انھوں نے میری پرورش میں خون پسینہ ایک کر دیا، اپنے خیال کے موافق میرے لئے ہر ایک راحت وخوبی کی فکر کی، ہزارہا آفات وحوادث سے بچانے کی کوشش کرتے رہے، بارہا میری خاطر اپنی جان جوکھوں میں ڈالی، آج انکی ضعیفی کا وقت آیا ہے، خداوندا! جو کچھ میری قدرت میں ہے انکی خدمت وتعظیم کر رہا ہوں، لیکن پورا حق ادا نہیں کر سکتا، اسلئے تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بڑھاپے میں اور موت کے بعد ان پر نظر رحمت فرما۔

والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے تواضع دل کی گہرائی سے کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے، اگر واقعی تم دل سے نیک اور سعادت مند ہو گے، اور خدا کی طرف رجوع ہو کر اخلاص وحق شناسی کے ساتھ انکی خدمت کرو گے

تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں سے درگذر فرمائے گا، فرض کرو اگر کسی وقت باوجود نیک نیتی کے تنگدلی یا تنگ مزاجی سے کوئی فروگذاشت ہوگئی پھر توبہ اور رجوع کیا تو اللہ بخشنے والا ہے۔

فرزندانِ ملت! ماں وہ ہستی ہے جس نے بچہ کی ہستی کو اپنا خون پلا پلا کر بڑھایا اور نو مہینے تک اس کی مشکل سہ کر اور سختی اٹھا کر اپنے پیٹ میں رکھا، پھر اس کے جننے کی ناقابل برداشت تکلیف کو ہنسی خوشی برداشت کیا، پھر اس نوپیدا مضغۂ گوشت کو اپنی چھاتیوں سے لگا کر اپنا خون پانی کر کے پلایا، اس کی پرورش اور غور و پرداخت میں اپنی ہر راحت قربان، اپنا ہر آرام ترک اور اپنی ہر خوشی نثار کر دی، ایسی حالت میں انسان کیا ماں سے بڑھ کر کسی انسان کا محتاج ہے؟

ماں کے ساتھ جو دوسری ہستی بچہ کی تولید و تکوین میں شریک ہے وہ باپ ہے، اسمیں شک نہیں کہ بچہ کی نشوونما اور تربیت میں ماں کے بعد باپ کی جسمانی و مالی کوششیں شامل ہیں، اس لئے جب بچہ انکی محنتوں اور کوششوں سے قوت کو پہونچتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ اپنی ماں باپ کی کوششوں سے حاصل کی ہوئی قوت کا شکرانہ ماں باپ کی خدمت کی صورت میں ادا کرے، اتنا ہی نہیں بلکہ اگر تمہارے ماں، باپ بت پرست ہیں اور وہ تم کو بت پرستی کی دعوت دے رہے ہیں تو صرف انکی دعوت کو قبول نہ کرو، لیکن ان کی دنیاوی خدمت اور حسن سلوک میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ انکا باپ مسلمان نہ تھا، مگر اس کیلئے خدا سے دعا مانگی "رَبَّنَا اغْفِرْلِی وَلِوَالِدَیَّ"

اے میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے، حضرت نوح علیہ السلام نے بھی یہی دعا کی "رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ" میرے پروردگار مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔

ایک دفعہ آپ نے والدین کی اطاعت کے ثواب کو ایک نہایت مؤثر حکایت میں بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ تین مسافر راہ میں چل رہے تھے، اتنے میں موسلا دھار پانی برسنے لگا، تینوں نے بھاگ کر ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی، قضارا ایک چٹان اوپر سے ایسی گری کہ اس سے غار کا منہ بند ہو گیا، اب انکی بیکسی و بیچارگی اور اضطراب و بیقراری کا کون اندازہ کر سکتا ہے، انکی موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی، اس وقت انھوں نے پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دربار الٰہی میں دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، ہر ایک نے کہا اس وقت ہر ایک کو اپنی خالص نیکی کا واسطہ خدا کو دینا چاہیئے، ایک نے کہا بارالٰہا تو جانتا ہے کہ میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے تھے، میں بکریاں چراتا تھا اور انہی پر ان کی روزی کا سہارا تھا، میں شام کو جب بکریاں لے کر گھر آتا تھا تو دودھ دوہ کر سب سے پہلے اپنے والدین کی خدمت میں لاتا تھا، جب وہ پی چکتے تب اپنے بچوں کو پلاتا تھا ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں بکریاں چرانے کو دور نکل گیا، واپس ہوا تو میرے والدین سو چکے تھے، میں دودھ لیکر ان کے سرہانے کھڑا ہوا نہ انکو جگاتا تھا کہ ان کی راحت میں خلل آجاتا اور نہ ہٹتا تھا کہ خدا جانے کس وقت انکی آنکھیں کھلیں اور دودھ مانگیں، بچے بھوک سے بلک رہے تھے، مگر مجھے گوارا نہ تھا کہ میرے والدین سے پہلے بچے سیر ہوں، میں اسیطرح

پیالہ میں دودھ لئے رات بھر سرہانے کھڑا رہا اور وہ آرام کرتے رہے خداوندا! اگر تجھے معلوم ہے کہ میں نے یہ کام تیری خوشنودی کیلئے کیا، تو اس چٹان کو اس غار کے منہ سے ہٹا دے، یہ کہنا تھا کہ چٹان کو خود بخود جنبش ہوئی اور غار کے منہ سے تھوڑا سرک گئی، اس کے بعد باقی مسافروں کی باری آئی اور انھوں نے بھی اپنے نیک کاموں کو وسیلہ بنا کر دعا کی اور غار کا منہ کھل گیا،

اسلام میں جہاد کی اہمیت جو کچھ ہے وہ ظاہر ہے، مگر والدین کی خدمت گذاری کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ انکی اجازت کے بغیر جہاد بھی جائز نہیں، کیونکہ جہاد کے میدان میں سر ہتھیلی پر رکھ کر جانا ہوتا ہے اور ہر وقت جان جانے کا امکان رہتا ہے، اس لئے والدین کی اجازت کے بغیر ان کو اپنے جسم و جان کو کھونے کا حق نہیں جس کو انکی خدمت گذاری کیلئے وقف ہونا چاہیئے تھا، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نیک کاموں میں جہاد کا درجہ والدین کی خدمت گذاری کے بعد رکھا،

ایک دفعہ ایک صحابی نے آکر خدمتِ اقدس میں شرکتِ جہاد کی اجازت طلب کی، آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ماں باپ بھی ہیں، عرض کی جی ہاں! ارشاد ہوا تو پھر انہی کی خدمت کا فریضۂ جہاد ادا کرو، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں: لَوْعَلِمَ اللّٰہُ شَیْئًا فِی الْعُقُوْقِ اَدْنٰی مِنْ اُفٍّ لَحَرَّمَہٗ فَلْیَعْمَلِ الْعَاقُّ مَاشَاءَ اَنْ یَعْمَلَ فَلَنْ یَدْخُلَ الْجَنَّۃَ، وَلْیَعْمَلِ الْبَارُّ مَاشَاءَ اَنْ یَعْمَلَ فَلَنْ یَدْخُلَ النَّارَ" والدین کی نافرمانی کے سلسلے میں اگر اُف سے بھی کم درجہ کی کوئی چیز

ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کو حرام قرار دیتا، لہٰذا نافرمان جو چاہے کرے جنت میں نہیں جا سکتا، اور فرمانبردار جو چاہے کرے دوزخ میں نہیں جا سکتا" وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ النُّسَّاكِ يُقَبِّلُ كُلَّ يَوْمٍ قَدَمَ أُمِّهِ فَأَبْطَأَ يَوْمًا عَلَى إِخْوَتِهِ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ: كُنْتُ أَتَمَرَّغُ فِي رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ أَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ" ایک زاہد کا معمول تھا کہ وہ روزانہ اپنی ماں کے پیر چوما کرتا تھا، ایک دن اپنے بھائیوں کے پاس پہونچنے میں اسے دیر ہوئی، بھائیوں نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں جنت کی پھلواری میں لوٹ پوٹ رہا تھا، کیونکہ ہم کو یہ حدیث پہونچی ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

حضرت عمر ابن عبد العزیزؒ نے ابن مہران کو تین نصیحتیں کیں " لَا تَأْتِيَنَّ أَبْوَابَ السَّلَاطِيْنِ وَإِنْ أَمَرْتَهُمْ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهَيْتَهُمْ عَنْ مُنْكَرٍ، وَلَا تَخْلُوَنَّ بِامْرَأَةٍ وَإِنْ عَلَّمْتَهَا سُوْرَةً مِنَ الْقُرْآنِ، وَلَا تَصْحَبَنَّ عَاقًّا فَإِنَّهُ لَنْ يَقْبَلَكَ وَقَدْ عَقَّ وَالِدَيْهِ" (المستطرف) بادشاہوں اور حکمرانوں کے دروازے پر ہرگز نہ جانا خواہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے کیوں نہ ہو، کسی عورت کے پاس تنہائی میں نہ بیٹھنا خواہ قرآن کی سورت سکھانے کیلئے کیوں نہ ہو، ایسے آدمی کے ہرگز ساتھ نہ رہنا جو والدین کا نافرمان ہو، کیونکہ جب وہ اپنے ماں باپ کا نہ ہوا، تو تمہارا کیا ہوگا؟

کسی دانشمند کا قول ہے "مَنْ عَقَّ وَالِدَيْهِ عَقَّهُ وَلَدُهُ" جو اپنے والدین کی نافرمانی کرے گا، اسکی اولاد اسکی نافرمانی کرے گی۔

مامون الرشید کہتے ہیں کہ والدین کی خدمت فضل ابن یحییٰ سے سیکھے!

فضل کی خدمت کا یہ عالم تھا کہ ان کے باپ یحییٰ سردیوں میں گرم پانی سے وضو کرتے تھے، نیرنگی تقدیر سے یحییٰ کو جیل جانا پڑا، فضل نے اپنے باپ کو جیل میں تنہا نہیں چھوڑا، خود بھی ان کے ساتھ جیل چلے گئے، وہاں جیل کے داروغہ نے آگ جلانے کی ممانعت کردی، ادھر یحییٰ کو وضو کیلئے گرم پانی چاہیئے تھا، تو جب یحییٰ سو گئے تو فضل نے پانی کا لوٹا لیا، اور رات بھر چراغ کی لَو پر اسکو لئے کھڑے رہے، جب یحییٰ بیدار ہوئے تو ان کو گرم پانی وضو کیلئے تیار ملا۔

قَالَ رَجُلٌ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اَنَّ لِيْ اُمًّا بَلَغَ مِنْهَا الْكِبَرُ اَنَّهَا لَا تَقْضِيْ حَاجَتَهَا، اِلَّا وَظَهْرِيْ لَهَا مَطِيَّةٌ فَهَلْ اَدَّيْتُ حَقَّهَا؛ قَالَ: لَا، لِاَنَّهَا كَانَتْ تَصْنَعُ بِكَ ذَالِكَ وَهِيَ تَتَمَنّٰى بَقَاءَكَ وَاَنْتَ تَصْنَعُهُ وَاَنْتَ تَتَمَنّٰى فِرَاقَهَا" ایک آدمی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ میری ماں بڑھاپے کی آخری منزل تک پہونچ چکی ہے اب وہ اپنی ضرورتیں خود چل کر پوری نہیں کرپاتی تو میں اسکو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر اسکی ضرورتیں پوری کرواتا ہوں، تو بتائیے! کہ کیا میں نے اس کا حق ادا کردیا؟ فاروق اعظم نے جواب دیا ہرگز نہیں! یہ منزل تو تم پر بھی گذر چکی ہے جب تم پیٹ میں تھے اور پھر گود میں آئے تو وہ بھی تم کو اسی طرح اٹھائے پھرتی تھی، لیکن اس اٹھانے میں اور اس اٹھانے میں بڑا فرق ہے، وہ تم کو اٹھاتی تھی اور دعا کرتی تھی کہ یا اللہ میرے لال کو زندہ رکھیو، اور تم اٹھاتے ہو اور تمہاری آرزو یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح میری ماں کی مشکل آسان ہوجائے اور اس کو اللہ تعالیٰ اپنے اپنے پاس بلالے۔

وَقَالَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ بِتُّ اَلْبَسُ رِجْلَ اَبِیْ وَبَاتَ اَخِیْ یُصَلِّیْ، وَ لَا یَسُرُّنِیْ لَیْلَتُہٗ بِلَیْلَتِیْ" امام ابن المنکدر رحمہ فرماتے ہیں کہ میں رات بھر اپنے باپ کے پیر دباؤں اور کوئی دوسرا رات بھر نماز پڑھے اور پھر کہے کہ اپنی رات سے میری رات بدل لے تو میں اس تبادلے کیلئے تیار نہیں ہونگا۔

؎ طریقت بجز خدمتِ خلق نیست ؛ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے علی ابن حسین سے پوچھا گیا کہ پورے شہر میں آپ اپنی ماں کے سب سے زیادہ فرمانبردار ہیں لیکن ان کے ساتھ بیٹھ کر ایک پیالہ میں کھانا کھانے سے گریز کرتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ سبحان اللہ انھوں نے کیا جواب دیا، فرمایا "نَخَافُ اَنْ تَسْبِقَ یَدِیْ یَدَھَا مَا تَسْبِقُ عَیْنَاھَا اِلَیْہِ فَاَکُوْنَ قَدْ عَقَقْتُھَا" ممکن ہے کہ ماں کی نظر کسی حصّے پر پہلے پڑ جائے اور وہ اسکو اٹھانا چاہتی ہوں اور میں ان کے اٹھانے سے پہلے اس کو اٹھا لوں تو نافرمان قرار پاؤں، وَقِیْلَ اِنَّ مُحَمَّدَ ابْنِ سِیْرِیْنَ کَانَ یُکَلِّمُ اُمَّہٗ کَمَا یُکَلِّمُ الْاَمِیْرَ الَّذِیْ لَا یَنْتَصِفُ مِنْہُ" امام محمد ابن سیرین اپنی والدہ سے اسقدر مؤدب ہو کر گفتگو کرتے تھے، جیسے تند مزاج اور نا انصاف حاکم سے بڑی لجاجت سے گفتگو کی جاتی ہے، امام غزالی تحریر فرماتے ہیں "اِنَّ اَکْثَرَ الْعُلَمَاءِ عَلٰی اَنَّ طَاعَۃَ الْاَبَوَیْنِ وَاجِبَۃٌ فِی الشُّبُھَاتِ وَاِنْ لَمْ تَجِبْ فِی الْحَرَامِ الْمَحْضِ" (احیاء ج ۲ ص ۲۱۸) اکثر علماء کی رائے ہے کہ جو چیز صراحۃً حرام ہے اس میں تو نہیں، لیکن مشتبہات یعنی جن چیزوں کے حرام ہونے میں شبہ ہے ان میں والدین کی اطاعت واجب ہے، اگر والدین ان کے کرنے کو کہیں تو کر دینا چاہئے، یہ نہ سوچنا چاہئے کہ یہ مشتبہ ہے۔

"لِاَنَّ تَرْكَ الشُّبْهَةِ وَرَعٌ وَرِضَا الْوَالِدَيْنِ حَتْمٌ" وجہ یہ ہے کہ مشتبہات کو ترک کرنا ورع اور تقویٰ ہے جو مندوب و مستحب ہے اور والدین کی خوشنودی واجب ہے۔

امام موصوف لکھتے ہیں کہ اگر والدین کو لڑکے کے تنہا کھانے پینے سے ناگواری ہوتی ہے تو لڑکے پر فرض ہے کہ والدین کے ساتھ کھائے، اسی طرح نفلی کاموں کیلئے سفر والدین کی اجازت کے بغیر درست نہیں ہے، مسند احمد اور صحیح ابن حبّان میں ہے کہ ایک صاحب یمن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد کیلئے حاضر ہوئے، آپ نے دریافت فرمایا کیا یمن میں تمہارے والدین ہیں؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے پوچھا کہ انھوں نے اجازت دی ہے، انھوں نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا واپس جاؤ اور اجازت لو، اگر اجازت دیدیں تو جہاد کرو، ورنہ جہاں تک ہوسکے ان کی خدمت کرو، ایمان کے بعد سب سے بہتر توشۂ آخرت خدمت والدین ہے۔

ایک دوسری حدیث ہے کہ ایک صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کے بارے میں مشورہ کرنے آئے تو آپ نے دریافت فرمایا: اَلَكَ وَالِدَةٌ" کیا تمہاری ماں موجود ہیں، انھوں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا تو ان سے چمٹ جاؤ، کیونکہ ان کے قدموں کے پاس جنّت ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک صاحب ہجرت پر بیعت کرنیکے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اپنے والدین کو رُلا کر آیا ہوں، آپ نے فرمایا، واپس جاؤ اور جس طرح ان کو رلایا ہے اسی طرح ان کو ہنساؤ۔

عَنْ انسٍ وَغَيْرِهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَعِدَ الْمِنْبَرَ، ثُمَّ قَالَ اٰمِيْن اٰمِيْن، اٰمِيْن، قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَامَ اٰمَنْتَ؟ قَالَ اَتَانِىْ جِبْرِيْلُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ، رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتَ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ، قُلْ اٰمِيْن فَقُلْتُ اٰمِيْن، ثُمَّ قَالَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ شَهْرُ رَمَضَانَ ثُمَّ خَرَجَ، فَلَمْ يُغْفَرْ لَهٗ قُلْ اٰمِيْن فَقُلْتُ اٰمِيْن، ثُمَّ قَالَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ وَالِدَيْهِ اَوْ اَحَدَهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ، قُلْ اٰمِيْن فَقُلْتُ اٰمِيْن (تفسیر ابن کثیر) حضرت انس اور دیگر صحابہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، پھر کہا آمین، آمین، آمین، دریافت کیا گیا اے اللہ کے رسول! آپ نے کس بات پر آمین کہی، فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے اور انھوں نے کہا کہ اے محمد اس شخص کی ناک خاک آلود ہو اور وہ ذلیل و خوار ہو، جس کے روبرو آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود نہ بھیجے، کہو آمین، تو میں نے کہا آمین، پھر کہا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو، اور وہ ذلیل و خوار ہو جس نے رمضان کا پورا مہینہ پایا اور مہینہ گذر گیا اور اس نے اپنی مغفرت کا سامان نہیں کیا، کہو آمین، تو میں نے کہا آمین، پھر کہا اس شخص کی ناک خاک آلود ہو اور وہ ذلیل و خوار ہو جس نے ماں باپ دونوں کو یا ان میں سے ایک کو پایا اور ان کی خدمت کر کے جنّت کا مستحق نہیں ہوا، کہو آمین تو میں نے کہا آمین۔

عَنِ الْمِقْدَادِ ابْنِ كَرِبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِآبَائِكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِاُمَّهَاتِكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِاُمَّهَاتِكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِاُمَّهَاتِكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ يُوْصِيْكُمْ بِالْاَقْرَبِ فَالْاَقْرَبِ (ابن ماجه) مقدام ابن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بیشک اللہ تعالیٰ تمکو اپنے باپوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ تمکو اپنی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ تمکو اپنی ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید کرتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ تم کو قریب ترین پھر قریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کرتا ہے۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِی یَرْبُوْع قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: فَسَمِعْتُہٗ وَھُوَ یُکَلِّمُ النَّاسَ، یَقُوْلُ: یَدُ الْمُعْطِیْ الْعُلْیَا، اُمَّکَ وَاَبَاکَ وَاُخْتَکَ وَاَخَاکَ، ثُمَّ اَدْنَاکَ، اَدْنَاکَ" (مسند احمد) قبیلۂ بنو یربوع کے ایک صاحب سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو میں نے آپکو فرماتے ہوئے سنا کہ دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے، مقصد یہ ہے کہ آدمی کو چاہیئے کہ دینے والا بنے تاکہ اسکا ہاتھ اوپر رہے، لینے والا نہ بنے جس کا ہاتھ نیچے رہتا ہے، پھر آپ نے فرمایا: کہ اپنا مال سب سے پہلے اپنی ماں پر خرچ کرو، اس کے بعد اپنے باپ کو دو، پھر بہن اور بھائی کو دو، ان کے بعد جو قریب تر رشتہ دار ہوں۔ درجہ بدرجہ ان کو دو۔

یہ درحقیقت اس آیت کی تفسیر ہے "یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ، قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ، وَ ابْنِ السَّبِیْلِ، وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ" (البقرۃ) اے نبی! لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ کہدو جو مال بھی تم

خرچ کرو تو وہ والدین کیلئے ہے، اور قرابت داروں کیلئے ہے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے اور جو بھی نیکی تم کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کا خوب علم رکھنے والا ہے، امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں اللہ کی عبادت کے ساتھ فوراً والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ کی توحید کا حکم ہے اور دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا، اس سوال کا جواب دیتے ہوئے امام رازی تحریر فرماتے ہیں کہ والدین کے بہت سے معاملات کو جو اولاد کے ساتھ ہیں اللہ کے ان معاملات سے مشابہت حاصل ہے جو بندوں کے ساتھ ہیں۔

۱۔ اوّل یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے کے وجود میں مؤثر حقیقی ہے، اور والدین مؤثرِ ظاہری ہیں۔

۲۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ جو انعام واحسان بندے پر کرتا ہے اسکا عوض نہیں چاہتا، تقریباً یہی حال والدین کا ہے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ جو حسن سلوک کرتے ہیں اس میں بے غرض ہوتے ہیں، کیونکہ جو لوگ آخرت کے قائل نہیں ہیں وہ بھی اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں اور اس کی پرورش کرتے ہیں، ان کو تو یہ بھی امید نہیں ہے کہ آخرت میں ثواب ملے گا، کیونکہ آخرت کو وہ مانتے ہی نہیں۔

۳۔ سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتا اگر بندہ بڑے سے بڑا گناہ کر ڈالے تو بھی اس سے رزق اور نعمت کو منقطع نہیں کرتا، یہی حال والدین کا ہے کہ وہ اولاد پر احسان کرنے سے نہیں اکتاتے اور اگر اولاد بدسلوکی کرے تو بھی انعام واحسان کا سلسلہ منقطع نہیں کرتے۔

۴ چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طاعت وعبادت کو خوب پھلنے اور پھولنے کا موقع دیتا ہے، ان کو ضائع ہونے سے بچاتا ہے اور ان اعمالِ فانیہ کو اعمالِ باقیہ بنا دیتا ہے جیسا کہ خود فرماتا ہے "مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ" ان لوگوں کا حال جو اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ جیسا ہے جس سے سات بالیں نکلیں، ہر بال میں سَو دانے ہیں، اسی طرح والدین اپنی اولاد کے مال میں نفع بخش تصرّف کرتے ہیں، ایسا تصرف کرتے ہیں کہ مال بڑھے، اس میں نفع ہو اور وہ خسارہ سے محفوظ رہے، یہی وجہ ہے کہ والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے، تفسیر کبیر میں ہے "اِتَّفَقَ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ عَلٰى اَنَّهٗ يَجِبُ تَعْظِيْمُ الْوَالِدَيْنِ وَاِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ" (تفسیر کبیر ج ۲ ص۱۷۷) اکثر اہل علم اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ والدین کی تعظیم وتکریم فرض ہے خواہ وہ کافر ہوں۔

۵ پنجم یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے حسد نہیں ہوتا خواہ بندے کتنی ہی ترقی کرلیں، بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ترقی سے خوش ہوتا ہے اسی طرح والدین اپنی اولاد سے حسد نہیں کرتے بلکہ ان کی ترقی سے خوش ہوتے ہیں۔

حاضرین کرام! میرے دل پر شدید تقاضا ہے اسلئے میں کہے دیتا ہوں اور آپ سے گذارش ہے کہ اس کو دل کی تختی پر لکھ لیجئے، یہ ایک آزمودہ اور اٹل حقیقت ہے، میں نے کبھی اس کے خلاف ہوتے ہوئے نہیں دیکھا وہ یہ ہے کہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حلیم اور بردبار ہے، جلدی نہیں پکڑتا بہت سے گناہوں کی سزا عالمِ آخرت کیلئے موقوف کر دیتا ہے، لیکن والدین

کی نافرمانی ایسا گناہ ہے جس کی سزا دنیا میں بھی دیجاتی ہے اور آخرت میں بھی، میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس نے ماں باپ کو ستایا ہو اور دنیا سے آرام کے ساتھ رخصت ہوا ہو، کرب و اضطراب، قلق و بے چینی، فاقہ مستی و بدحالی، نافرمانی اولاد، بیچارگی و کس مپرسی غرضیکہ ہر طرح کے مصائب جھیل کر ہی وہ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔

ذرا سوچئے! یہ کیا اندھیر ہے؟ اور کس قدر بے وفائی ہے؟ کہ جب ہم ضعیف و ناتواں تھے، اور ہمارے والدین طاقتور اور توانا تھے، اس وقت انھوں نے ہم پر خرچ کرنے میں کوئی دریغ نہیں کیا تو اب جبکہ صورتِ حال برعکس ہو گئی ہے والدین ہمارے لئے اپنی جان کھپاتے کھپاتے ناتواں ہو چکے ہیں اور ہمارے محتاج ہو گئے ہیں اور ہم ماشاء اللہ توانا اور طاقتور ہیں، تو کتنی سنگدلی، احسان ناشناسی اور بے وفائی کی بات ہوگی کہ ہم اپنی ان مخلص اور ناتواں ہستیوں پر مال صرف کرنے میں تأمل کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ عالی میں ایک صاحب نے شکایت کی کہ میرے باپ مجھ سے پوچھے بغیر میرا کھانا اور دیگر سامان لے لیتے ہیں، بارگاہِ رسالت میں ان کی طلبی ہوئی، بڑے میاں نے آکر صاف صاف بات کہدی کہ اے رحمت عالم! جب یہ ناتواں تھا اور توانا تو میں نے اپنا مال اس پر صرف کرنے میں دریغ نہیں کیا، اب یہ توانا ہے اور میں ناتواں ہوں، تو یہ اپنا مال مجھ پر صرف کرنے میں تأمل کرتا ہے، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر باپ کی تائید کی اور بیٹے کو مخاطب کر کے فرمایا "اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِیْكَ" تم اور تمہارا مال

تمہارے باپ کا ہے۔

غالباً امام ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ اگر باپ کافر ہے اور وہ خنزیر کا گوشت چولھے پر رکھ کر اپنے مسلمان بیٹے سے کہے کہ اس کے نیچے آگ جلا دو تو باپ کے احترام میں آگ جلا دینا چاہیے۔

یَااَلْعَجَبْ! انقلابات زمانہ بھی عجیب و غریب ہیں، کل جو ہمارا محتاج تھا آج ہم اس کے محتاج ہو گئے، کل جو ہمارا بھکاری تھا آج ہم اس کے سامنے کاسۂ گدائی لئے ہوئے کھڑے ہیں، بوڑھے والدین اور جوان اولاد اسی صورت حال سے دوچار ہیں ۔؎

كَانَ مَمْلُوْكِیْ فَاَضْحٰی مَالِكِی ⁂ اِنَّ هٰذَا مِنْ اَعَاجِیْبِ الزَّمَنْ

پہلے میرا غلام تھا اب آقا ہو گیا، یہ عجیب و غریب بات ہے، خفاجی نے کیا خوب کہا ہے ۔؎

یَامَنْ اَتیٰ یَسْأَلُ عَنْ فَاقَتِیْ ⁂ مَاحَالُ مَنْ یَسْأَلُ عَنْ سَائِلِہٖ

مَاذِلَّةُ السُّلْطَانِ اِلَّا اِذَا ⁂ اَصْبَحَ مُحْتَاجًا اِلیٰ عَامِلِہٖ

جو صاحب میری تنگی و محتاجی کا حال پوچھنے آئیں ہیں وہ سن لیں، کہ اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کو خود اپنے سائل سے مانگنا پڑے، بادشاہ کیلئے اس سے بڑی ذلت کیا ہو گی کہ وہ اپنے غلام کا محتاج ہو جائے۔

اِنَّ رَجُلاً اَتیٰ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَقَالَ: اِنَّ اَبِیْ لَمْ یَزَلْ بِیْ حَتّٰی زَوَّجَنِیْ امرأةً وَاِنَّهٗ الْاٰن یَامُرُنِیْ بِفِرَاقِهَا، قَالَ مَا اَنَا بِالَّذِیْ اٰمرك اَنْ تعق وَالِدیك وَلَا بِالَّذِیْ اٰمرك ان تطلق زوجتك، غَیْرَ اَنَّكَ اِنْ شِئْتَ حَدَّثْتُكَ بِمَا سَمِعْتُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلّی اللّٰه عَلَیْهِ وسَلَّمَ سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ: اَلْوَالِدُ اوسط ابوابِ الْجَنَّةِ فَحَافِظ عَلیٰ ذٰلِكَ

اِنْ شِئْتَ أَوْ دَعْ " (ابن حبان فی صحیحہ) ایک شخص حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میرے باپ نے میرے پیچھے پڑ کر ایک عورت سے میرا نکاح کروا دیا، اور اب یہ کہتا ہے کہ میں اس کو طلاق دیدوں، حضرت ابو درداء نے فرمایا، میں تم سے نہ یہ کہوں گا تم اپنے والدین کی نافرمانی کرو اور نہ یہ کہوں گا کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدو البتہ اگر تم چاہو، تو تم سے میں وہ حدیث بیان کر دوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے، میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ باپ جنت کے بیچ کا دروازہ ہے، اب اگر چاہو تو اس دروازے کو پکڑ لو اور چاہو تو چھوڑ دو۔

عَنْ ابن عُمَرَ رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ تَحْتِیْ امرأةٌ احبها وَكَانَ عمر يَكْرَهُهَا، فقالَ لِیْ طَلِّقْهَا، فَاَبَيْتُ، فَاَتٰى عُمَرُ رَسُولَ اللهِ صلّى اللهُ عليهِ وسَلَّمَ فَذَكَرَ ذالِكَ لَهٗ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا " (ابوداؤد والترمذی وابن حبان) حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے محبت تھی اور ابا حضور یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسکو ناپسند کرتے تھے، چنانچہ مجھے حکم دیا کہ میں اسکو طلاق دیدوں، لیکن میں نے طلاق دینے سے انکار کر دیا تو ابا جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے پورا واقعہ بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلا کر فرمایا کہ باپ کے حکم کی تعمیل کرو، اور اسکو طلاق دیدو۔

والدین کے انتقال کے بعد ان کیلئے خیرات کرنا، ان کی مغفرت کی دعا مانگنا اور ان کی قبر کی زیارت کرنا اور ان کے دوستوں سے اچھا سلوک

کرنا شریعت میں اہم اور مامور بہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ امام مسلم نے روایت کیا ہے "ان ابن عمر رضی اللہ عنہما لقیہ رجل بطریق مکۃ، فسلّم علیہ ابن عمر وحملہ علی حمارٍ کان یرکبہ واعطاہ عمامۃ کانت علی رأسہ فقال ابن دینارٍ فقلت لہ اصلحک اللہ تعالیٰ انھم الاعراب، وھم یرضون بالیسیر، فقال إنّ اباھذا کان وُدّاً لعمر ابن الخطاب وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: إنّ ابرّ البرّ صلۃ الولد اھل وُدّ ابیہ" حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مکہ مکرمہ جاتے ہوئے ایک آدمی ملا، تو حضرت عبداللہ نے اس کو سلام کیا اور اپنی سواری پر بٹھایا اور اپنے سر کی پگڑی اتار کر اس کے سر پر رکھ دی، یہ دیکھ کر ابن دینار سے نہ رہا گیا، چنانچہ وہ بول اٹھے کہ اللہ آپکو اچھا رکھے یہ تو گاؤں کے لوگ ہیں، ذرا سی چیز سے خوش ہو جاتے ہیں آپ نے اس کے ساتھ اس قدر اکرام و عطا کا معاملہ کیوں کیا، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ اس کا باپ عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کا دوست تھا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ بہت بڑی نیکی ہے کہ لڑکا اپنے باپ کے اہل تعلق سے حسن سلوک کرے۔

دانشمندوں کا قول ہے کہ چار آدمیوں کی خدمت سے بڑے سے بڑے آدمی کو بھی عار نہ محسوس کرنی چاہیئے، مہمان کی خدمت سے، اُستاذ کی خدمت سے، بادشاہ کی خدمت سے اور والدین کی خدمت سے۔

والدین کی خدمت میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے عمر بڑھتی ہے، اور رزق میں وسعت ہوتی ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ خدایا ہمارے معاشرے سے والدین کی مظلومیت کو دور فرما، اے اللہ اولاد کو والدین کے حقوق کا عرفان اور ان کی ادائیگی کی توفیق عطا فرما، اے اللہ ہمارے رہن سہن کو "مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا" سے پاک فرما، خدایا یہاں چھوٹوں پر شفقت ہو اور بڑوں کا اکرام ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِین

○○○

تقریر بست و سوم

کبائر

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم
اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيْمًا " (النساء ۳۱) وَقَالَ تَعَالٰى: اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبَائِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ، اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ " (النجم ۳۲)

"اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو روکا جا رہا ہے، تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کے مقام میں داخل کریں گے" اور دوسری جگہ سورہ نجم میں ارشاد فرمایا گیا: "اچھے لوگ وہ ہیں جو بڑے گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں بجز معمولی آلودگی کے، یقیناً تمہارے رب کی مغفرت میں بڑی وسعت ہے"۔

فرزندانِ اسلام و نوجوانانِ ملت! میں نے نوجوانانِ ملت کو

خاص طور سے اس لئے مخاطب کیا ہے کہ مجھے خاص طور سے ان سے کچھ عرض کرنا ہے، مستقبل کے ناخدا یہی ہیں، پوری ملت انہی کی طرف دیکھ رہی ہے یہ امّتِ مسلمہ کی آرزوؤں کے چراغ ہیں ولولے اور امنگیں جو انقلاب کی بنیاد ہیں وہ انہی میں پائی جاتی ہیں، اے امّت کے لختہائے جگر اے ملت کے نورہائے نظر، اے کشتیٔ اسلام کے کھیونہارو! اے دین و مذہب کے فوجیو اور سپاہیو! تم سے ہم کونسی زبان میں مخاطب ہوں؟ تمہیں بتاؤ کہ تم سے گفتگو کیلئے کونسا پیرایہ اختیار کیا جائے، یا ہم غالب کی طرح یہ دعا مانگیں ؎

یارب وہ نہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے میری بات
دے اور دل انکو جو نہ دے مجھکو زباں اور

غالب فرماتے ہیں کہ وہ میری بات نہ ابتک سمجھے ہیں اور نہ آئندہ امید ہے کہ سمجھیں گے، اے خدا اگر تو میری زبان کو ایسی قوّت بیان نہیں دیتا جو انھیں اپنا مدّعا سمجھا سکوں تو انھیں کو ایسا دل عنایت کر دے کہ میرا مطلب سمجھ جائیں۔

چلیے کشتیٔ عشق کو اللہ کے حوالے کرتے ہیں اور گفت و شنید کا دروازہ کھولتے ہیں اور اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ ؎

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر ✿ میں نے تو درگذر نہ کی جو مجھسے ہو سکا

ملّت مسلمہ کے نونہالو! کان کھول کر سن لو، تمہاری سرحدیں غیر محفوظ ہیں، یہودیت، نصرانیت، مجوسیت، وثنیت گھات لگائے بیٹھی ہیں، اور ہر وقت تاک میں رہتی ہیں، تمہاری قوم و ملت کی آبرو داؤں پر لگی ہوئی ہے اور تم ملّت کی فوج اور اس کے پاسباں ہو، لیکن

ہماری آنکھیں خون کے آنسو روتی ہیں اور کلیجہ منہ کو آتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تمہارے شباب کو معصیتوں کا گھن لگ گیا ہے، جس نے تمہارے شباب کو کھوکھلا کرکے رکھدیا ہے، تمہاری جوانی کو گناہوں کی دیمک چاٹ رہی ہے، کفر و الحاد تمہارے بازوؤں کو آزما چکا ہے، اس کا تصور تمہارے بارے میں یہ ہے ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے ٭ یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

شاید تم نے عربی کی یہ کہاوت سنی ہوگی "السَّیْفُ بِالسَّاعِدِ لَا السَّاعِدُ بِالسَّیْفِ" تلوار بازو سے ہے نہ کہ بازو تلوار سے، یعنی تلوار میں کاٹ قوّتِ بازو سے آتی ہے، تلوار سے قوّتِ بازو نہیں پیدا ہوتی۔

یاد رکھو! گناہ اور نامردی، معصیت اور بزدلی، کیا بُرا اور بے غیرتی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، یہ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں، آپ گناہ بھی کریں اور طاقتور بھی رہیں ناممکن ہے جس طرح یہ ناممکن ہے کہ آپ زہر بھی کھائیں اور زندہ بھی رہیں، معلوم نہیں آپ کی محفل میں اقبال آتے ہیں یا نہیں، خدارا کبھی کبھی ان کو بھی یاد کر لیا کیجئے، اگاہے ماہے انکے پیغامات بھی گنگنا لیا کیجئے، فرماتے ہیں ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا ٭ شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

اگر ہو جنگ تو شیرانِ غاب سے بڑھ کر ٭ اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری

اور اقبال ہی کی زبان میں اس حقیقت کو بھی دلنشین کر لیجئے کہ انگریزی تہذیب سے کوئی توقع رکھنا احمقانہ تصور ہے، اس تہذیب کا خمیر ناپاکی سے تیار ہوا ہے اس میں دل و دماغ کی پاکیزگی کی جستجو کرنا ایسا ہے جیسے شراب سے ناپاکی کو دور کرنے کی کوشش کرنا۔

عزیزو! یہ تہذیب مرض ہے دوا نہیں ہے، یہ وبال ہے نعمت نہیں ہے۔

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوقِ لطیف

تمہارا درماں مشرق میں ہے مغرب میں نہیں، تمہاری روح کی تطہیر و تسکین حرمین شریفین میں ہے، جنیوا اور نیویارک میں نہیں اب سے چودہ سو سال پہلے سرزمین حجاز سے جو پیغام دیا گیا تھا اس کی طرف کان لگاؤ، ربّ کعبہ کی قسم ہے کہ تمہارا علاج اسی پیغام پر عمل کرنے میں ہے، خدارا تریاق کے ہوتے ہوئے اس سے غفلت نہ برتو، آبِ حیات پر پہونچ کر مٹکانہ توڑو۔

قوم نوح کو صفحۂ ہستی سے کیوں مٹا دیا گیا، اس کا جواب سنو اور آنکھیں کھولو، مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (نوح ۲۵) وہ اپنے گناہوں کی پاداش میں ڈبوئے گئے، پھر نارِ جہنم میں ڈال دئے گئے، ذرا سورۂ عنکبوت کی چالیسویں آیت کو کلیجے پر ہاتھ رکھ کر پڑھئے " فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ " تو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہوں کی پاداش میں پکڑا، تو بعض ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کی آندھی چلائی اور بعض ایسے تھے جنکو سخت دھماکے نے آن پکڑا، اور بعض ایسے تھے جنکو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور بعض ایسے تھے جنکو ہم نے ڈبویا،

اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔

الاماں والحفیظ، الاماں والحفیظ، یہ ہے گناہوں کی ہولناک تاریخ خبردار! خبردار! یہ نہ سمجھنا کہ یہ ماضی کی تاریخ ہے اور اب کچھ ہونیوالا نہیں ہے، اس وقت کیلئے بھی قدرت کا یہی اٹل قانون ہے، اور اللہ کی سنّت یعنی قدرت کا قانون بدلا نہیں کرتا، ارشاد ہے "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ" (روم ۴۱) خشکی اور تری میں جو ابتری اور فساد رونما ہوا وہ ان کرتوتوں کے نتیجے میں ہوا، جنکو لوگوں کے ہاتھوں نے انجام دیا تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے کئے کی سزا کا کچھ ذائقہ چکھا دے شاید وہ باز آجائیں۔

یہ تو گناہوں کے اثرات تھے اب پاکیزگی اور پرہیزگاری کی برکتیں بھی سنئے "وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" (الطلاق ۲،۳) جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اسکو ایسے طریقے پر روزی عطا کرتا ہے کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ (الأعراف ۹۶) اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کے اوپر آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

گناہ کس قدر خطرناک اور اندیشہ ناک چیز ہے اس کا اندازہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے ہوتا ہے "اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ، اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ" اے اللہ میرے درمیان اور میری خطاؤں کے درمیان اتنی دوری کردے جتنی مشرق اور مغرب کے درمیان ہے، اے اللہ مجھ کو خطاؤں سے اس طرح پاک کردے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے، اے اللہ میری خطاؤں کو پانی سے اور برف سے اور اولوں سے دھو دے۔

برادران ملت! خدا کرے کہ یہ حقیقت آپکے دل میں اتر جائے کہ ہر طرح کی ذلت اور ہر طرح کے زوال میں گناہوں کا ہاتھ ہوتا ہے، دوسری جنگ عظیم میں جب جرمنی کے ہاتھوں فرانس کو شکست ہوئی تو اس دور کے تبصرہ نگاروں نے تبصرہ کیا تھا کہ فرانس کی بدکاری و بداخلاقی نے اسکو شکست سے دوچار کیا، ایک عرب نے اس تبصرے کا عربی ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے "مِنْ اَھَمِّ اَسْبَابِ انھیار فَرَنْسَا ھُوَ تَفَسُّخُ الشَّعْبِ الْفَرَنْسِیِّ نَتِیْجَۃً لِاِنْتِشَارِ الرَّذِیْلَۃِ بَیْنَ اَفْرَادِہٖ (الخطایا فی نظر الاسلام) فرانس کی شکست فاش کا اہم ترین سبب یہ تھا کہ فرانسیسی قوم بدکرداری کے رواج کی وجہ سے پارہ پارہ ہو چکی تھی، حضرت سعید ابن مسیّب جو تمام تابعین میں سب سے افضل ہیں فرماتے ہیں "مَا اَعَزَّتِ الْعِبَادُ نَفْسَھَا بِمِثْلِ طَاعَۃِ اللّٰہِ وَمَا اَھَانَتْ نَفْسَھَا بِمِثْلِ مَعْصِیَۃِ اللّٰہِ (ابن خلکان) سب سے بڑی عزت اللہ کی اطاعت ہے، اور سب سے بڑی ذلت اللہ کی معصیت ہے۔

حضرت اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے ؎

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجر اسلام کا تھا
جب صرصر عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا
اللہ کی رہ اب بھی ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

گناہ ایسا وبائی مرض ہے جو بیک وقت تمام چیزوں کو متاثر کرتا ہے اس سے انفرادی طور پر آدمی کی جسمانی اور روحانی صحت متاثر ہوتی ہے اس سے گھریلو نظام تہہ و بالا ہو جاتا ہے، اس سے اجتماعی اور ملی تحریکیں اور تنظیمیں مضمحل ہو جاتی ہیں، بلکہ دم توڑ دیتی ہیں، اس سے سیاسی نظام کھوکھلا ہو جاتا ہے، انسان کا جسمانی و روحانی کمال، اس کی تدبیر منزل اس کے اقتصادیات، اسکی سیاست مدُن میں سے کون سی چیز ہے جو گناہوں کی لپیٹ میں نہیں آتی، جب پیمانہ معصیت لبریز ہو جاتا ہے اور تمام چیزوں پر اس کے نتائج ظاہر ہو جاتے ہیں تو آدمی بھونچکا ہو جاتا ہے کہ تنہا میری بدراہی نے کتنی چیزوں کو متاثر کیا ہے ؎

کس نے میرے ایک تنکے کو جلانے کے لئے
آگ کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھ دیا

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، جو لوگ کمالات کے طالب اور کمالات کے جویا ہیں وہ اس حقیقت کو ذہن نشیں کر لیں کہ گناہ کمالات کی راہ کے زبردست روڑے ہیں، گناہ کرتے ہوئے انسان کمال اور ترقی کی منزل کو نہیں پہونچ سکتا اس کی مثال ایسی ہوگی، جیسے وہ اپنی محنت اور جد و جہد سے کمال اور ترقی کے چھپر کو چڑھا رہا ہے اور گناہ نیچے سے اس چھپر کو گھسیٹ رہے ہیں، یا اسطرح سمجھئے کہ کھلیان سے

اناج لاکر کوٹھیا میں بھرا جا رہا ہے اور گناہوں کے بیشمار چوہے اس کوٹھیا میں جگہ جگہ سے سوراخ کر کے اناج کو کھسکاتے جارہے ہیں ۔

آج بڑے سے بڑا ملحد اور اعلیٰ درجے کا ماہر نفسیات یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ موجودہ نسل میں گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے ذہنی اضطراب اور اعصابی دباؤ بہت ہے اور بعض نے کھل کر کہہ دیا ہے کہ اس کا علاج مذہب اور توبہ ہے، گویا بت خانے سے اذان دی جارہی ہے " یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ " اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، دل کی پوری صفائی کے ساتھ اللہ سے توبہ کرو، ممکن ہے کہ ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کریں جنکے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِجْتَنِبُوْا السَّبْعَ الْمُوْبِقَاتِ، قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، مَاھُنَّ، قَالَ: الشِّرْکُ بِاللّٰہِ، وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ، وَاَکْلُ الرِّبٰوا، وَاَکْلُ مَالِ الْیَتِیْمِ وَالتَّوَلِّیْ یَوْمَ الزَّحْفِ، وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات مہلک چیزوں سے بچو! پھر صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اور کیا ہیں وہ مہلک چیزیں؟ فرمایا: شرک جادو، وہ جان جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسکو ناحق لینا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، کافروں سے لڑائی کے وقت پیٹھ دیکر بھاگنا اور پاکدامن، بھولی بھالی مومن عورتوں کو زنا کی تہمت لگانا ۔

وَعَنه قال، قال رَسُول الله صَلّی الله عَلَیہِ وَسلّمَ ، لَایَزنِی الزَّانِی حِینَ وَهُوَ مُؤمِنٌ ، ولَا یَسرِقُ السَّارِقُ حِینَ یَسرِقُ وَهُوَ مُؤمِنٌ ، وَلَا یَشربُ الخَمرَ حِینَ یَشربُهَا وَهُوَ مُؤمِنٌ ، وَلَا یَنتَهِبُ نهبَۃً یَرفَعُ النَّاسُ اِلَیہِ فِیهَا اَبصَارهُم حِینَ یَنتَهِبهَا وَهُوَ مُؤمِنٌ ، وَلَا یَغُلُّ اَحَدُکُم حِینَ یَغُلُّ وَهُوَ مُؤمِنٌ فَاِیَّاکُم اِیَّاکُم" (بخاری ومسلم) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بدکاری کرنیوالا جس وقت بدکاری کرتا ہے، اسوقت وہ مومن نہیں ہوتا ہے، اور چوری کرنے والا جس وقت چوری کرتا ہے، اسوقت وہ مومن نہیں ہوتا ہے اور شرابی جس وقت شراب پیتا ہے اسوقت وہ مومن نہیں ہوتا ہے اور رہزنی کرنے والا جس وقت رہزنی کرتا ہے جسے بیچارگی کے ساتھ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں، اور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا منظر ہوتا ہے اسوقت وہ رہزن مومن نہیں ہوتا، اور تم میں سے کوئی جس وقت خیانت کرتا ہے اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، تو ان اعمال سے بچو! بچو!

عَن مُعَاذٍ قال، اَوصَانِی رَسُولُ اللهِ صَلّی اللهُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ بِعَشرِ کَلِمَاتٍ، قَالَ لَا تُشرِك بِاللهِ شَیئًا وَاِن قُتِلتَ وَحُرِّقتَ ، وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیكَ وَاِن اَمَرَاكَ اَن تَخرُجَ مِن اَهلِكَ وَمَالِكَ ، وَلَا تَترُکَنَّ صَلٰوۃً مَکتُوبَۃً مُتَعَمِّدًا فَقَد بَرِئَت مِنهُ ذِمَّۃُ اللهِ ، وَلَا تَشرَبَنَّ خَمرًا فَاِنَّهُ رَأسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ ، وَاِیَّاكَ وَالمَعصِیَۃَ فَاِنَّ بِالمَعصِیَۃِ حَلَّ سَخَطُ اللهِ ، وَاِیَّاكَ وَالفِرَارَ مِنَ الزَحفِ وَاِن هَلَكَ النَّاسُ ، وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوتٌ وَاَنتَ فِیهِم فَاثبُت وَاَنفِق عَلٰی عِیَالِكَ مِن طَولِكَ وَلَا تَرفَع عَنهُم عَصَاكَ اَدَبًا ، وَاَخِفهُم فِی اللهِ" (مسند احمد)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو دس باتوں کی نصیحت کی، آپ نے فرمایا کہ: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ہرگز نہ ٹھہرانا چاہے مار ڈالے جاؤ اور جلا دیئے جاؤ، اور اپنے ماں، باپ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا، چاہے وہ تم کو یہ حکم دیں کہ اپنی بیوی اور اپنے مال واسباب سے دست بردار ہو جاؤ، اور فرض نماز جان بوجھ کر ہرگز نہ چھوڑنا، اسلیئے کہ جو شخص فرض نماز کو دیدہ ودانستہ ترک کرتا ہے، اس سے اللہ کی حفاظت اور امان اٹھ جاتی ہے اور شراب ہرگز نہ پینا اس لیئے کہ وہ ہر برائی کی سردار ہے اور خود کو اللہ کی نافرمانی اور گناہ سے بہت دور رکھو اسلیئے کہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اترتی ہے، اور کفار سے مقابلہ کے وقت پیٹھ دکھا کر بھاگنے سے بچو، چاہے لوگ مر رہے ہوں اور لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہوں۔ اور جب لوگوں کو طاعون اور وبائی موت آرہی ہو اور تم انکے درمیان موجود ہو تو وہیں برقرار رہو، وہاں سے مت بھاگو، اور اپنے کنبے پر اپنے مقدور کے موافق خرچ کرو، اور ان سے ادب کی چھڑی اٹھا کر نہ رکھو، یعنی اگر ادب دینے کیلئے مارنا پڑے تو مارنے میں تامل نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں ان کو ڈراتے رہو۔

حضرات! کبیرہ گناہوں کے بارے میں آیات واحادیث آپ کے سامنے آچکی ہیں، کبیرہ گناہ بھی تھوڑے نہیں، امام ذہبی نے "الکبائر" میں ستّر گناہ کبیرہ شمار کرائے ہیں اور ہر ایک کی تفصیل کی ہے۔

احمد ابن حجر المکی الہیثمی نے اپنی مشہور کتاب "الزواجر عن اقتراف الکبائر" میں گناہ کبیرہ کی تعداد چار سو ترسٹھ لکھی ہے اور ہر ایک کی تفصیل اور اس

کا علاج بتایا ہے ۔

فَقَالَ اَکْبَرُ تَلَامِذَۃِ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا ھِیَ اِلَی السَّبْعَاۃ اَقْرَبُ یعنی باعتبار اصناف انواعھا (الزواجر جلد اول) حضرت سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہما کے سب سے بڑے شاگرد نے کہا ہے کہ گناہ کبیرہ کی تعداد اس کے اقسام کے اعتبار سے سات سو تک پہونچتی ہے، ہم اس مجلس میں چار بڑے بڑے گناہوں سے بحث کرنا چاہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمکو اور ہماری نوجوان نسل یعنی ہمارے جگر کے ٹکڑوں کو ان سے محفوظ رکھے ۔ اٰمین

سب سے پہلے زنا اور بدکاری کو لیجئے، ابھی آپ نے حدیث سنی کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا، ایک اور حدیث میں ہے کہ زانی جب زنا کرتا ہے تو ایمان اس کے اندر سے نکل کر چھتری کی طرح اس کے اوپر سایہ فگن ہو جاتا ہے، پھر اگر اللہ چاہتا ہے تو وہ ایمان لوٹ آتا ہے اور اگر نہیں چاہتا تو نہیں لوٹتا ہے گویا زنا ایمان سے محروم کر دیتا ہے اور زانی اگر قسمت نے یاوری نہیں کی تو بے ایمان ہو کر مرتا ہے، زنا کا ارتکاب سوسائٹی میں زبردست فساد پھیلاتا ہے، وہ ناجائز اولاد کے مسائل پیدا کرتا ہے وہ رشتۂ نکاح کو کمزور کر دیتا ہے، وہ سطحی لذتیت کا ذہن پیدا کرتا ہے، وہ چوری اور خیانت کی تربیت دیتا ہے، اور قتل اور رہزنی کو فروغ دیتا ہے، وہ سارے سماج کے دل و دماغ کو گندہ کر دیتا ہے ۔

قرآن حکیم انتباہ دیتا ہے "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَّسَاءَ سَبِیْلًا" اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو، یقیناً یہ بے حیائی کا کام ہے، اور زندگی گزارنے کا بدترین طریقہ ہے ۔

امام رازی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں " اشتمل الزِّناءُ علیٰ انواع من المفاسدِ ! اوّلها اختلاط الأنسابِ وَاشتباهها فلا یعرف الانسان ان الولد الّذی اَتَتْ بہٖ الزّانیۃ اَھُومنہ اومِنْ غیرہٖ فلا یقوم بتربیتہٖ وَلا یستمر فِی تعھدہٖ وذالك یوجب ضیاع الاولاد وَذالكَ یوجب انقطاعَ النسل وَخراب العالمِ ، وَثانیها ان ذالك یفضی الیٰ فتح باب الھرج والمرج وَالمقاتلۃ ، وَکم سمعنا وقوع القتل الذریع بسبب اقدام المرأۃ الواحدۃِ علی الزنا ، وثالثها ان المرأۃ اذا باشرت الزناء وَتمرّنت علیہ یستقذرھا کلُّ طبع سلیم وَکلُّ خاطر مستقیم وحینئذٍ لاتحصل الالفۃ وَ المحبّۃ ولا یتم السکن وَالازدواج . ورابعها : انّہ لیس المقصود من المرأۃ مجرد قضاء الشھوۃ بل ان تصیر شریکۃ للرّجل فی ترتیب المنزل واعداد مھماتہٖ من المطعوم والملبوسِ وَالمشروب وان تکون رَبّۃ البیت وَ حافظۃً للبابِ وَان تکونَ قائمۃ باموراِ الاولاد وھٰذہٖ المھمات لاتتمّ اِلاّ اذا کانتْ مقصورۃ الھمّۃ علی ھٰذا الرجل الواحد منقطعۃ الطمع عن سائرِ الرّجالِ" (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۱۹۹)

زنا اور بدکاری میں طرح طرح کے مفاسد پائے جاتے ہیں :-

اوّل یہ کہ نسب مشتبہ ہوجاتا ہے، چنانچہ آدمی کو یہ یقین نہیں آتا کہ جس بچّے کو زانیہ نے جنا ہے وہ اسی کا ہے یا دوسرے کا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی پرورش میں دلچسپی نہیں لیتا اور نہ اسکی نگہداشت کرتا ہے، ظاہر ہے کہ اس سے اولاد ضائع ہوجاتی ہے اور یہ چیز انقطاعِ نسل اور بربادیٔ عالم کا سبب بنتی ہے۔

دوم یہ کہ زنا فتنہ وفساد اور قتل وقتال کا دروازہ کھول دیتا ہے،

یہ بات بارہا تجربہ میں آچکی ہے کہ ایک عورت کے زنا کرنے سے قتل وقتال کا بازار گرم ہوگیا اور اس کا سلسلہ اتنا طویل ہوا کہ اس نے ختم ہونے کا نام نہیں لیا۔

سوم یہ کہ عورت جب زنا کا ارتکاب کرتی ہے اور اسکی عادی ہوجاتی ہے تو اس سے ذوقِ سلیم رکھنے والا شوہر گھن کھاتا ہے اور اسکو اس سے نفرت ہوجاتی ہے، لہٰذا نکاح کے فوائد یعنی الفت ومحبّت، اور بیوی سے مل کر دل کا سکون پانا رخصت ہوجاتا ہے۔

چہارم یہ کہ نکاح اور بیوی کا مقصد محض خواہش کی تسکین نہیں ہے بلکہ نکاح کا مقصد یہ ہے کہ وہ رفیقۂ حیات بنے اور تدبیر منزل میں مرد کی شریک کار ہو، اور ضروریات یعنی خوراک وپوشاک وغیرہ کی فراہمی میں مرد کا ہاتھ بٹائے، وہ اندرون خانہ کی آقا اور اولاد کی نگراں ہو، یہ اہم امور اسی وقت انجام پاسکتے ہیں جب عورت کی تمام توجہات تنہا ایک مرد پر مرکوز رہیں، اور دوسرے تمام مردوں سے اس کا ذہن یکسو رہے۔

یہ قول کس درجہ حکیمانہ ہے "لَا تَخْلُوَنَّ بِامْرَأَةٍ وَلَوْ اَنْ تُعَلِّمَهَا سُوْرَةً مِنَ الْقُرْآن" کسی عورت کے ساتھ ہرگز ہرگز تنہائی نہ اختیار کرو، خواہ قرآنِ کریم پڑھانے کیلئے ہو۔

اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہنے کے اندر کتنی تباہ کاریاں چھپی ہوئی ہیں اس کا اندازہ اس عبرت آموز واقعے سے ہوتا ہے جو امام ابن جوزی نے اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں وہب ابن منبہ کے حوالے سے لکھا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زنا کے مضمرات

کتنے خطرناک اور وحشت ناک ہیں، اور یہ کہ ابلیس اپنی دسیسہ کاریوں سے انسان کو کس طرح کھلونا بناتا ہے" اِنَّ عَابِدًا کَانَ فِی بَنِی اِسْرَائِیلَ وَکَانَ مِنْ اَعْبَدِ اَھْلِ زَمَانِہٖ، وَکَانَ فِی زَمَانِہٖ ثلاثۃ اخوۃ لَھُمْ اخت وَکَانَتْ بِکْرًا لَیْسَ لَھُمْ اختٌ غَیْرھَا، فَخَرَجَ البَعْثُ عَلیٰ ثلاثتِھِمْ فَلَمْ یَدْرُوْا عند مَنْ یَخلفون اختھم وَلَامَنْ یاْمنون عَلَیْھَا ولاعند من یضعونہا، قال فَاجمَعَ رأیھم علیٰ اَنْ یخلفوھا عِنْدَ عَابِدِ بنی اِسرائیل، وکان ثِقَۃً فی انفسھم فاتوہ فَسَألوہُ اَنْ یَخلفُوھَا عِنْدَہ 'الخ : بنی اسرائیل میں ایک شخص اپنے وقت کا سب سے بڑا عابد وزاہد تھا، اسی زمانے میں تین بھائی تھے جنکی اکلوتی بہن تھی جو کنواری تھی، اتفاقاً تینوں بھائیوں کا نام جہاد میں لکھ لیا گیا، اب جہاد میں جانے سے ان کیلئے کوئی مفر نہیں تھا، لیکن انکو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ بہن کو کس کی حفاظت اور نگرانی میں رکھ کر جائیں، غور وخوض کے بعد یہ طے پایا کہ اس عابد وزاہد کے ذمہ کر جائیں، انکی نظر میں اس سے زیادہ کوئی قابلِ اعتماد نہیں تھا چنانچہ سب بھائی اس کے پاس آئے اور اس سے درخواست کی کہ انکی واپسی تک اس لڑکی کو اپنے قریب اپنی نگرانی میں رکھے، اسنے انکار کیا اور کہا کہ میں تم سے اور تمہاری بہن سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں لیکن بھائی لوگ پیچھے پڑ گئے، یہانتک کہ اسے ماننا پڑا، اسنے کہا کہ میری خلوت گاہ سے متصل ایک چھوٹا سا مکان ہے، اس میں لڑکی کو رکھدو، وہ لوگ اس مکان میں لڑکی کو چھوڑ کر روانہ ہو گئے، کچھ دنوں تک وہ لڑکی اسطرح رہی کہ وہ عابد اپنے خلوت خانہ سے کھانا لیکر اترتا اور دروازے سے باہر رکھدیتا، پھر دروازہ بند کرلیتا اور اپنی

عبادت گاہ پر چڑھ جاتا، وہاں سے اس لڑکی کو پکار کر کہتا، وہ گھر سے باہر نکلتی اور خلوت خانہ کے دروازے پر سے کھانا لے لیا کرتی، اب شیطان اس عابد کے پیچھے لگ گیا اور انتہائی پارسا اور لڑکی کا خیر خواہ بنکر عابد کے دل و دماغ میں اترا اور اس کو یہ سمجھایا کہ دن میں لڑکی کا گھر سے باہر نکل کر تمہارے دروازے تک آنا خطرے سے خالی نہیں ہے ممکن ہے کہ اس کو کوئی دیکھے اور اس کے پیچھے پڑ جائے، لہٰذا ایسا کرو کہ کھانا اس کے دروازے تک پہونچا دیا کرو یہ زحمت تمہارے لئے باعث اجر ہوگی، اب وہ عابد کھانا اس کے دروازے تک پہونچانے لگا، وہ کھانا رکھدیتا تھا اور چلا آتا تھا، لڑکی سے بات نہیں کرتا تھا کچھ دنوں تک یہی معمول رہا، پھر شیطان خیر خواہ بن کر آیا اور عابد سے کہا کہ اگر آپ کھانا اندر پہونچا دیا کریں تو زیادہ بہتر ہے، جب شیطان لگاتار یہی مشورہ دیتا رہا تو عابد نے کھانا اندر پہونچانا شروع کر دیا، پھر شیطان نے ترغیب دی کہ لڑکی تنہائی کی وجہ سے وحشت محسوس کرتی ہے، لہٰذا اگر تم اس سے باتیں کر لیا کرو تو اس کی وحشت دور ہو جائے گی، لہٰذا وہ عابد اپنی کوٹھری کی چھت پر چڑھ کر اس سے باتیں کرنے لگا، ابلیس نے پھر سمجھایا کہ اگر آپ نیچے اتر کر اس کے دروازے پر جا کر اس سے باتیں کریں تو یہ اس کے لئے مزید انسیت کا باعث ہوگا، کچھ دنوں کے بعد ابلیس نے کہا کہ اس طرح سے باتیں کرنے میں بے پردگی بھی ہوتی ہے اور بدنامی بھی، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ آپ لڑکی کے مکان کے اندر چلے جایا کریں اور وہیں باتیں کر لیا کریں، اب عابد صاحب اندر جانے لگے، دن بھر اس سے باتیں کرتے تھے، رات

کو اپنے خلوت خانے میں آکر عبادت کرتے تھے، اب ابلیس اپنی کامیابی کی منزل سے قریب آگیا، وہ عابد کی نظر میں لڑکی کا نقشہ جماتا رہا یہاں تک کہ لڑکی اس کی نظروں میں کھب گئی، حتی کہ ایک دن باتیں کرتے کرتے عابد نے لڑکی کی ران پر ہاتھ مارا اور اس کا بوسہ لیا، ابلیس لڑکی کو عابد کی نظروں میں حسین بنا کر پیش کرتا رہا، آخر کار عابد ابتلاء میں آگیا اور لڑکی سے منہ کالا کیا، یہی بدکاری روزانہ کا معمول بن گئی حتی کہ لڑکی حاملہ ہو گئی، جب بچہ پیدا ہوا تو شیطان نے عابد کے دماغ میں یہ اندیشہ پیدا کیا کہ جب لڑکی کے بھائی آئیں گے تو انکو کیا جواب دوگے؟ اسوقت وہ تم کو رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس لڑکے کو ذبح کردو اس سے تمہارے راز پر پردہ پڑ جائے گا اور لڑکی بھی خاموش رہے گی کیونکہ اس میں اسکی بھی پردہ داری ہے، چنانچہ عابد نے لڑکے کو ذبح کرکے دفن کردیا، اسکے بعد پھر شیطان آیا اور عابد سے کہا کہ لڑکی کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہونیکی ضرورت نہیں ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟ جب بھائی آئیں گے تو یہ دکھیاری لڑکی اپنے دکھ کو چھپا سکے گی؟ جو کچھ تم نے اس کے ساتھ اور اس کے بیٹے کیساتھ کیا ہے ایک ایک کرکے اپنے بھائیوں کو بتائے گی، لہٰذا دوراندیشی یہی ہے کہ لڑکی کو بھی ذبح کرکے اسکے بیٹے کے ساتھ دفن کردو، اس نے لڑکی کو ذبح کرکے ایک ہی گڑھے میں ماں بیٹے کو دفن کردیا، اور مٹی برابر کرکے اوپر سے ایک بڑی چٹان رکھدی، یہ عمل کرکے خانقاہ میں چلا گیا اور عبادت میں مصروف ہو گیا، کچھ دنوں کے بعد لڑکی کے بھائی جہاد سے واپس ہوئے،

اور عابد کے پاس آکر اپنی بہن کا احوال دریافت کیا تو وہ رونے لگا اور کہا کہ وہ اللہ کو پیاری ہو گئی، وہ بڑی صالح تھی یہ دیکھو اس کی قبر ہے، وہ لوگ بہن کی قبر پر آکر رونے لگے اور اس کیلئے دعائے مغفرت کی، کچھ دنوں تک وہیں قیام کیا پھر اپنے گھر آئے، جب رات ہوئی اور سب سو گئے تو شیطان خواب میں مسافر بن کر آیا، سب سے پہلے بڑے بھائی کو دکھائی دیا، اور اس سے بہن کا حال پوچھا، بھائی نے عابد سے جو سنا تھا وہی بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ عابد نے اس کیلئے دعائے مغفرت کی، اور سب کو اسکی قبر کی جگہ دکھائی، شیطان نے کہا عابد جھوٹ بول رہا ہے، حقیقت واقعہ یہ ہے کہ اس نے تمہاری بہن کو حاملہ کیا پھر جب بچہ پیدا ہوا تو تمہارے ڈر سے ماں بیٹے دونوں کو ذبح کیا اور اس گڑھے میں دفن کر دیا جو اس مکان کے دروازے کے پیچھے دائیں جانب ہے جس میں لڑکی رہتی تھی، لہٰذا چلو اور کھود کر دیکھ لو، پھر منجھلے بھائی کے خواب میں آیا اور یہی کہا، سب سے آخر میں چھوٹے بھائی کے پاس آیا اور یہی واقعہ بیان کیا، جب صبح ہوئی تو سب نے اپنا اپنا خواب بیان کیا تینوں کو خواب کی یکسانیت پر انتہائی حیرت ہوئی، بڑے بھائی نے کہا یہ پریشان خیالی ہے اسکی کوئی حقیقت نہیں ہے، لہٰذا اپنا اپنا کام کرو اور اس خواب کو یہیں ختم کر دو، لیکن چھوٹا بھائی ضد پر آگیا اور اس نے کہا "واللہِ لا اَمضِی حَتّٰی اٰتِی اِلٰی ھٰذَا المَکانِ فَانظُرَ فِیہِ" واللہ میں کسی کام پر نہیں جا سکتا جب تک وہاں پہونچ کر تحقیق نہ کرلوں، چھوٹے کی ضد سب کو ماننی پڑی تینوں بھائی روانہ ہو گئے، جب اس مکان پر پہونچے جہاں انکی بہن

رہتی تھی تو اس کا دروازہ کھولا پھر اندر داخل ہوئے اور اس جگہ کی شناخت کی جس کی نشاندہی خواب میں کی گئی تھی، جب وہ جگہ کھودی گئی تو دیکھا کہ ماں بیٹے کو ذبح کر کے دفن کر دیا گیا ہے، اب اس عابد سے پوچھ گچھ شروع ہوئی کہ ان مذبوحہ لاشوں کی حقیقت کیا ہے ؟ ایسے واقعات میں پوچھ گچھ کے دوران جو سختی اور زد و کوب کی جاتی ہے وہ ظاہر ہے، ان سختیوں کی تاب نہ لا کر عابد کو اپنے جرم کا اعتراف کرنا پڑا، اب مقدمہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا، بادشاہ نے فیصلہ دیا کہ عابد کو خانقاہ سے لا کر تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے، جب اس کو تختۂ دار پر لٹکایا جانے لگا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہا کہ تم نے مجھ کو پہچانا ؟ میں وہی ہوں جس نے تمکو اس لڑکی پر فریفتہ کیا تھا یہانتک کہ تم نے اس کو حاملہ کیا اور اس کو اور اسکے بیٹے کو ذبح کیا اگر تم آج میرا کہا مان لو اور خدا کا انکار کر دو تو میں تم کو اس دار و رسن سے چھٹکارا دلا دوں، عابد نے فوراً شیطان کی اطاعت کی اور خدا کا انکار کر دیا، جیسے ہی اس نے کفر کیا شیطان وہاں سے کھسک گیا اور جلادوں نے عابد کو سولی دیدی، حضرت وہب ابن منبہؒ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی مواقع کیلئے یہ آیت نازل ہوئی ہے "كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْءٌ مِّنْكَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ـ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَا اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ـ وَذَالِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِيْنَ" جیسے قصہ شیطان کا جب انسان سے کہتا ہے کفر کر پھر جب اس نے کفر کر دیا تو کہتا ہے کہ میں تجھ سے الگ ہوں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہان کا رب ہے، پھر دونوں کا انجام یہی ہے کہ

دونوں دوزخ میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور گنہگاروں کی یہی سزا ہے ۔

قتلِ مومن

دوسرا گناہ کبیرہ جس پر ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں قتل مومن ہے، قرآن حکیم میں ہے " مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (المائدۃ ۳۲) جس نے کسی کو قتل کے جرم یا ملک میں فساد پھیلانے کے جرم کا ارتکاب کئے بغیر ناحق قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کوئی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی ۔

یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ایک کو مارا جیسے سب کو مارا، یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اس جرم پر دلیر ہوتے ہیں، تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور عام بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے، اور جو کسی ایک کو قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے ۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَاَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا (النساء ۹۲) اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس کی سزا جہنم ہے وہ اسمیں ہمیشہ ہمیش رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اور اسکو اللہ نے ملعون قرار دیا، اور اس کیلئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

برادرانِ اسلام! لرزہ براندام کر دینے والی ہے یہ آیتِ کریمہ، اس پر سرسری نظر ڈالئے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرنیوالے اس طرح کی آیتوں سے کس قلب وجگر اور کس دل گردے کیساتھ گزرتے ہیں، یا یہ کہئے کہ ان آیتوں کے پڑھنے اور سننے کا انکو اتفاق ہی نہیں ہوتا۔

خدا کی پناہ ایک مومن کو قتل کرنے کی چار سزائیں اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں، ہر سزا دل کو دہلا دینے والی ہے۔

خلود فی جہنم، غضب اللہ، لعنت اللہ اور آخر میں اعداد العذاب العظیم، یعنی پہلی سزا تو یہ ہے کہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا، دوسری یہ کہ اس پر اللہ کا غضب ہے، تیسری یہ کہ اس پر اللہ کی لعنت ہے اور چوتھی یہ کہ اس کیلئے بڑا عذاب تیار کیا گیا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ کفر و شرک کے بعد کسی گناہ کی اتنی سخت سزا نہیں سنائی گئی جتنی سخت سزا قتل کی ہے، معلوم ہوا کہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ قتل ہے، حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جب آپس میں قتل و قتال کرتے ہیں تو ملتِ اسلام سے نکل کر کافروں کے زمرہ میں چلے جاتے ہیں۔

"مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السِّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا" (بخاری ومسلم) جس نے ہمارے اوپر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ" (بخاری ومسلم) مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتل و قتال کرنا کفر ہے، شیخین یعنی امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے إِذَا الْتَقَى الْمُسْلِمَانِ بِسَيْفِهِمَا فَقَتَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ فَالْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ

فِی النَّارِ، قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ، ھٰذَا الْقَاتِلُ، فَمَا بَالُ الْمَقْتُوْلِ، قَالَ اِنَّہٗ کَانَ حَرِیْصًا عَلٰی قَتْلِ صَاحِبِہٖ" جب دو مسلمان اپنی اپنی تلوار لے کر ایکدوسرے کے مقابل ہوئے اور ایک نے دوسرے کو قتل کردیا تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہونگے، عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول یہ قاتل ہے اس کا دوزخ میں جانا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن مقتول کیوں دوزخ میں جائے گا، فرمایا اسلئے کہ وہ بھی اپنے مقابل کو قتل کرنے کیلئے کوشاں تھا، یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، نیت مقتول کی بھی قتل کرنے کی ہی تھی، گو وہ اسمیں کامیاب نہیں ہوا۔

دیکھا آپ نے ہتھیار لے کر لڑنا کتنے بُرے انجام تک پہونچاتا ہے۔

حضرات! جس طرح دوسرے کو قتل کرنا عذاب کا باعث ہے اسیطرح اپنے آپ کو قتل کرنا اور خودکشی کرنا بھی عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے حدیث شریف میں ہے "من تَرَدّٰی مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَھُوَ فِی نَارِجَھَنَّمَ یَتَرَدّٰی فِیْھَا خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْھَا اَبَدًا وَمَنْ تَحَسّٰی سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَہٗ فَسَمُّہٗ فِیْ یَدِہٖ یَتَحَسَّاہٗ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْھَا اَبَدًا وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَہٗ بِحَدِیْدَۃٍ فَحَدِیْدَتُہٗ فِیْ یَدِہٖ یَتَوَجَّأُ بِھَا فِیْ بَطْنِہٖ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا فِیْھَا اَبَدًا" (بخاری ومسلم) جس نے پہاڑ سے کود کر خودکشی کی وہ جہنم کی آگ میں پہاڑ سے اسی طرح ہمیشہ ہمیش کودتا رہے گا، اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کی اس کے ہاتھ میں زہر ہوگا جسے وہ نار جہنم میں ہمیشہ ہمیش کھاتا رہے گا اور جس نے دھاردار آلے کو پیٹ میں گھونپ کر خودکشی کی اسکے ہاتھ میں دھاردار آلہ ہوگا اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیش اس آلے کو اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔

فقہاء کہتے ہیں کہ خود کشی کرنیوالے کی نماز جنازہ تو پڑھی جائے لیکن خواص کو اسمیں شرکت نہیں کرنی چاہیئے، خواص سے مراد ہیں مفتی شہر قاضی شہر، اور علماء کبار جن کا عوام میں وقار ہے، اللہ حفاظت فرمائے

ے اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مرکے بھی چین نہ آیا تو کدھر جائیں گے؟

شراب

شراب نوشی بھی گناہ کبیرہ ہے، اس کا ایک نام "اُمُّ الْخَبَائِثُ" گناہوں کی جڑ بھی ہے، آپ ایک مفصل حدیث سن چکے ہیں جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے "لَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ" شرابی جس وقت شراب پیتا ہے اسوقت مومن نہیں ہوتا ہے،

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ" شراب مت پیو اس لئے کہ وہ ہر برائی کی کنجی ہے، دوسری جگہ ارشاد ہے "لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُوْلَةَ إِلَيْهِ" (ابوداؤد، ابن ماجہ) اللہ کی لعنت ہو شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور اسکے فروخت کرنیوالے پر اور اسکے خریدنے والے پر اور اس کے بنانے والے پر اور اس کے بنوانے والے پر اور اسکو لاد کر لانیوالے پر، اور جس کیلئے لاد کر لائی گئی ہو اس پر،

عزیزانِ گرامی! غور کرنیکا مقام ہے، ہم جن کی شفاعت کے امیدوار ہیں جب وہی شرابیوں پر لعنت بھیج رہے ہیں تو شرابی لوگ اچھی طرح

سوچ لیں کہ ان کا ٹھکانا کہاں ہوگا؟

"مُدمِنُ الخَمرِ کَعَابِدِ وَثَنٍ" (ابن ماجہ) شراب کا عادی بت کے پجاری کی طرح ہے۔

ابو داؤد شریف میں ہے کہ ایک یمنی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شراب کے بارے میں دریافت کیا جو یمن میں پی جاتی تھی، اور مکئی سے بنائی جاتی تھی اسکو "مزر" کہتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ وہ نشہ آور ہے؟ یمنی نے کہا ہاں: آپ نے ارشاد فرمایا "کُلُّ مُسکِرٍ حَرَامٌ إِنَّ عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ عَهدًا لِمَن يَشرَبُ المُسكِرَ أَن يَسقِيَهُ مِن طِينَةِ الخَبَالِ، قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا طِينَةُ الخَبَالِ؟ قَالَ عَرَقُ أَهلِ النَّارِ أَو قَالَ عُصَارَةُ أَهلِ النَّارِ" ہر نشہ آور چیز حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ جو شخص نشہ آور چیز کو پیئے گا، اس کو اللہ تعالیٰ طینۃ الخبال میں سے پلائیں گے، یمنی نے دریافت کیا طینۃ الخبال کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا دوزخیوں کا پیپ یا آپ نے یہ فرمایا: دوزخیوں کے زخموں سے نچڑنے والی چیز، عرب کے ادیبوں اور دانشمندوں نے شرابی کی بہت سچی تصویر کھینچی ہے وہ لکھتے ہیں "إِنَّ الإِنسَانَ يُصبِحُ فِي البِدَايَةِ كَالطَّاوُسِ مُعجَبًا بِنَفسِهِ وَتَظهَرُ عَلَيهِ عَلَامَاتُ التِّيهِ وَالدَّلَالِ، وَبَعدَ ذَالِكَ يُصبِحُ كَالقِردِ سَرِيعَ الحَرَكَةِ وَأَخِيرًا كَالخِنزِيرِ يَتَمَرَّغُ فِي الأَوحَالِ" شراب پی کر آدمی شروع میں مور دکھائی دیتا ہے اپنے وجود پر نازاں شیخی بگھارنے والا نازنخرے دکھانے والا، اسکے بعد بندر کی طرح ہو جاتا ہے، اچھلنے والا کودنے والا، اور آخر میں خنزیر ہو جاتا ہے، غلاظت میں لت پت

نجاست سے شرابور، نالیوں میں پڑا رہنے والا۔

حضارِ محفل! شراب نوشی صحت کو تباہ کرتی ہے وہ مال کے ضیاع اور بالآخر اقتصادی بربادی تک لے جاسکتی ہے اس سے اخلاق کا احساس کمزور پڑتا ہے اور انسان دھیرے دھیرے حیوان بن جاتا ہے شراب مجرمین کی ایک بہترین مددگار ہے جس کو پینے کے بعد لطیف احساسات مفلوج ہوجاتے ہیں، اور پھر قتل، چوری، ڈاکہ اور عصمت دری کے واقعات کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں "فِی شُرْبِ الخَمرِ اُمُورٌ اَحَدُهَا: اَنَّ عَقلَ الإِنسَانِ اَشرَفُ صِفَاتِهٖ وَالخَمرُ عَدُوُّ العَقلِ، اِنَّ الإِنسَانَ اِذَا دَعَاهُ طَبعُهٗ اِلٰی فِعلٍ قَبِیحٍ کَانَ عَقلُهٗ مَانِعًا لَهٗ مِنَ الإِقدَامِ عَلَیهِ فَاِذَا شَرِبَ الخَمرَ بَقِیَ الطَّبعُ الدَّاعِیُ اِلٰی فِعلِ القَبَائِحِ خَالِیًا عَنِ العَقلِ المَانِعِ مِنهَا،

ذَکَرَ ابنُ اَبِی الدُّنیَا اَنَّهٗ مَرَّ عَلٰی سَکرَانَ وَهُوَ یَبُولُ فِی یَدِهٖ وَیَمسَحُ بِهٖ وَجهَهٗ کَهَیئَةِ المُتَوَضِّیْ وَیَقُولُ الحَمدُ لِلّٰهِ الَّذِی جَعَلَ الإِسلَامَ نُورًا وَالمَاءَ طَهُورًا، وَعَنِ العَبَّاسِ ابنِ مِردَاسٍ اَنَّهٗ قِیلَ لَهٗ فِی الجَاهِلِیَّةِ لِمَ لَا تَشرَبُ الخَمرَ؟ فَاِنَّهٗ تَزِیدُ فِی جُرأَتِكَ، فَقَالَ مَا اَنَا بِآخِذٍ جَهلِی بِیَدِی فَاُدخِلَهٗ جَوفِی، وَلَا اَرضٰی اَن اُصبِحَ سَیِّدَ قَومٍ وَاُمسِی سَفِیهَهُم، وَثَانِیهَا اَنَّ هٰذِهِ المَعصِیَةَ مِن خَوَاصِّهَا اَنَّ الاِنسَانَ کُلَّمَا کَانَ اِشتِغَالُهٗ بِهَا اَکثَرَ، کَانَ المَیلُ اِلَیهَا اَکثَرَ، وَقُوَّةُ النَّفسِ عَلَیهَا اَقوٰی، فَاِذَا وَاظَبَ الإِنسَانُ عَلَیهِ صَارَ الإِنسَانُ غَرقًا فِی اللَّذَّاتِ البَدَنِیَّةِ، مُعرِضًا عَن تَذکِرَةِ الآخِرَةِ حَتّٰی یَصِیرَ مِنَ الَّذِینَ نَسُوا اللّٰهَ

فَاَنْسَاھُمْ اَنْفُسَھُمْ" (تفسیر کبیر)

شراب نوشی میں بہت سے مفاسد ہیں :۔ ایک یہ کہ عقل انسان کی سب سے زیادہ قیمتی شئی ہے اور شراب عقل کی دشمن ہے، آدمی کا نفس جب کسی برے کام کی دعوت دیتا ہے تو عقل اس کو اقدام کرنے سے روک دیتی ہے، آدمی جب شراب پی لیتا ہے تو نفس بے لگام ہو جاتا ہے کیونکہ عقل جو رکاوٹ بنتی تھی اس سے خالی ہو جاتا ہے، ابن ابو الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ ان کا گذر ایک آدمی کے پاس سے ہوا جو شراب سے مدہوش تھا وہ اپنے ہاتھ میں پیشاب کرتا تھا اور اسکو اپنے چہرے پر اس طرح ملتا تھا گویا وضو کر رہا ہے، اور کہتا تھا: الحَمْدُ للهِ الَّذِی جَعَلَ الاِسْلام نُوْرًا وَالمَاءَ طَھُوْرًا" شکر ہے اللہ کا جس نے اسلام کو نور اور پانی کو طہور (پاک کرنیوالا) بنایا۔

عباس ابن مرداس سے دور جاہلیت میں پوچھا گیا کہ آپ شراب کیوں نہیں پیتے اس سے جرأت میں اضافہ ہوتا ہے، انھوں نے جواب دیا میں اپنی جہالت کو اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے پیٹ میں داخل نہیں کر سکتا، میں صبح کر دوں قوم کا رئیس (سردار) ہو کر اور شام کروں قوم کا سفیہ (احمق) بن کر یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

دوسرا مفسدہ یہ ہے کہ شراب کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی جتنا زیادہ اسکو استعمال کرتا ہے اتنا ہی اس کا میلان اسکی طرف بڑھتا ہے، اور مداومت کے ساتھ شراب نوشی کا عادی ہو جاتا ہے، آخر کار دنیوی لذتوں میں غرق ہو کر، آخرت کو بالکل بھول جاتا ہے اور پھر صورت یہ ہو جاتی ہے "نَسُوا اللهَ فَاَنْسَاھُمْ اَنْفُسَھُمْ" وہ اللہ کو

قبول کرے، تو اللہ نے انکو خود فراموشی میں مبتلا کر دیا۔

شراب میں دُھت رہنے والے مسلمانو! اچھی طرح سنو صحابۂ کرام کو شراب سے اسقدر نفرت تھی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی تالاب میں شراب کا ایک قطرہ ڈالدیا جائے، پھر اس کے پانی اور گارے سے مسجد تعمیر کی جائے تو میں اسمیں نماز نہیں پڑھونگا اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے اور شرابیوں کو توبہ نصیب کرے۔ آمین

جوا

جوا گناہ کبیرہ ہے اس سے حاصل کی ہوئی رقم حرام ہے، جواری کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

عن ابی ھُرَیْرَۃ قال، قال رَسُولُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ان اللہَ طَیِّبٌ لَا یقبل الَّا طَیِّبًا، وَاِنَّ اللہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِہِ الْمُرْسَلِیْنَ، فَقَالَ: "یَا اَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا، وَقَالَ تَعَالٰی: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاکُمْ" ثُمَّ ذَکَرَ الرَّجُلَ یُطِیْلُ السَّفَرَ اَشْعَثَ اَغْبَرَ یَمُدُّ یَدَیْہِ اِلَی السَّمَاءِ، یَا رَبِّ یَا رَبِّ، وَمَطْعَمُہٗ حَرَامٌ وَمَشْرَبُہٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُہٗ حَرَامٌ وَغُذِیَ بِالْحَرَامِ فَاَنّٰی یُسْتَجَابُ لِذٰالِکَ (مسلم شریف) اللہ تعالیٰ پاک ہے، وہ پاک ہی کو قبول کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے مومنین کو وہی حکم دیا جو رسولوں کو دیا، چنانچہ ارشاد فرمایا: اے پیغمبرو! حلال مال کھاؤ اور نیک عمل کرو، نیز حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو وہ پاکیزہ رزق کھاؤ جو ہم نے تمکو عطا کیا ہے، پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو لمبا سفر کر کے حج کو جاتا ہے

پراگندہ حال اور غبار سے اٹا ہوا، دعا کیلئے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے اور کہتا ہے، اے میرے رب مجھ کو یہ دیدے، اے میرے رب مجھ کو وہ دیدے، حالانکہ کھانا اس کا حرام ہے، اور پینا اس کا حرام ہے اور پوشاک اسکی حرام ہے اور غذا اسکی مال حرام سے ہے، تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔

فرزندان اسلام! حلال اور محنت کی کمائی میں جو انوار ہیں وہ حرام کے لقمہ تر میں نہیں ہیں " عَنِ المقدادِ ابن مَعْدِ یکربَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَکَلَ اَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَیْرًا مِنْ اَنْ یَاْکُلَ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ وَاِنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ دَاوُدَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَاْکُلُ مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ (بخاری شریف) حضرت مقداد ابن معدیکرب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے، اور اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

قرآن حکیم میں ہے " لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ " آپسمیں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ، جوا اور لاٹری کے شائقین اس آیت کریمہ کو غور سے سنیں پھر خود فیصلہ کریں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے " یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَاءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَہَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَہُوْنَ " (مائدہ ۹۱-۹۰)

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے نجاست کی چیزیں ہیں اور شیطانی کام ہیں سو اس سے بچے رہو تاکہ فلاح پاؤ شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ شراب اور جوے کے ذریعے سے ڈالدے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روکدے، تو کیا تم باز آنے والے ہو؟

حضرات! جوے اور شراب کو "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" گندے اور شیطانی کام کہکر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کا طبیعتِ بشری سے کچھ نہ کچھ لگاؤ ہوتا ہے، لیکن شراب اور جوا تو ایسی چیزیں ہیں کہ انسان انکی جانب تمامتر خارجی مؤثرات ہی کے اثر سے آتا ہے اور یہ بالکل ہی شیطان کی تحریک کا نتیجہ ہوتا ہے، "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" ان کی بالکل صحیح تصویر کشی ہے، فطرتِ بشری ان سے خود اِبا کرتی ہے، مفسر زمخشری نے لکھا ہے کہ شراب اور جوے کی حرمت کے متعدد طریقے قرآن نے اس آیت میں جمع کردئے ہیں:۔

(۱) آیت کی ابتدا کلمۂ حصر اِنَّمَا سے کی، یعنی ان چیزوں کی بس یہی کل حقیقت ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

(۲) ان دونوں چیزوں کا ذکر انصاب یعنی بت پرستی جیسی مسلّم گندی چیز کے ساتھ کیا۔

(۳) انھیں رِجس یعنی نجاست قرار دیا (۴) انھیں عملِ شیطان ٹھہرایا۔

(۵) صاف صاف ان سے اجتناب کا حکم دیا۔

(۶) ان سے احتراز کو موجب فلاح بتایا، اور فلاح دینی و دنیوی،

مادّی و روحانی، جسمانی و دائمی، انفرادی و اجتماعی، ہر قسم کے سود و بہبود کو شامل ہے۔

(۷) انکی مضرتوں کا ذکر کیا؛

شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں کی تفصیل لکھنے پر کوئی آئے تو کتاب کی کتاب تیار ہو سکتی ہے، قرآن مجید نے یہاں انکی صرف بڑی اور کلیدی مضرت خانہ جنگی کی طرف اشارہ کر دیا شراب اور قمار دونوں کے مضر اثرات شر و فساد کی شکل میں روزمرّہ کے مشاہدے ہیں، جوے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر و اکابر کا اپنی دولت، سلطنت، عزت و ناموس تک گنوا بیٹھنا، ہندوستان کے قدیم ترین تاریخی قصہ مہابھارت سے ظاہر ہو رہا ہے، ٹھیک اسیطرح جیسے آج مہذّب آبادی پر بھی یہ بلا بُری طرح مسلط ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ قَالَ لِصَاحِبِہٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ " جس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آؤ جوا کھیلیں تو صرف اتنا کہنے پر واجب ہے کہ وہ صدقہ کرے۔ پناہ! بخدا جب صرف جوئے کا لفظ بولنے پر صدقہ آتا ہے، تو جوا کھیلنے کا کیا حکم ہوگا؟

بیہقی میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَثَلُ الَّذِیْ يَلْعَبُ بِالنَّرْدِ ثُمَّ يَقُوْمُ يُصَلِّیْ مَثَلُ الَّذِیْ يَتَوَضَّأُ بِالْقَيْحِ وَدَمِ الْخِنْزِيْرِ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيُصَلِّیْ "۔ جو آدمی نرد (ایک قسم کا جوا) کھیلتا ہے، پھر اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرے پھر اٹھ کر نماز پڑھے۔

اِعْلَمْ اَنَّ الْمَيْسِرَ سُحْتٌ بَاطِلٌ لِاَنَّهُ اِخْتِطَافٌ لِاَمْوَالِ النَّاسِ عَنْهُمْ مُعْتَمِدٌ عَلٰى اِتِّبَاعِ جَهْلٍ وَحِرْصٍ وَمُنْيَةٍ بَاطِلَةٍ وَرُكُوْبٍ غُرُرٍ تَبْعَثُهُ هٰذِهٖ هٰذِهٖ عَلَى الشَّرْطِ، وَلَيْسَ لَهٗ دَخْلٌ فِي التَّمَدُّنِ وَالتَّعَاوُنِ، فَاِنْ سَكَتَ الْمَغْبُوْنُ سَكَتَ عَلٰى غَيْظٍ وَخَيْبَةٍ، وَاِنْ خَاصَمَ خَاصَمَ فِيْمَا الْتَزَمَهٗ بِنَفْسِهٖ وَاقْتَحَمَ فِيْهِ بِقَصْدِهٖ، وَالْغَابِنُ يَسْتَلِذُّهٗ وَيَدْعُوْهُ قَلِيْلُهٗ اِلٰى كَثِيْرِهٖ وَلَا يَدَعُهٗ حِرْصُهٗ اَنْ يُقْلِعَ عَنْهُ وَعَمَّا قَلِيْلٍ تَكُوْنُ التِّرَةُ عَلَيْهِ وَفِي الْاِعْتِيَادِ بِذٰلِكَ اِفْسَادٌ لِلْاَمْوَالِ وَمُنَاقَشَاتٌ طَوِيْلَةٌ وَاِهْمَالٌ لِلْاِرْتِفَاقَاتِ الْمَطْلُوْبَةِ وَاِعْرَاضٌ عَنِ التَّعَاوُنِ الْمَبْنِيِّ عَلَيْهِ التَّمَدُّنُ وَالْمُعَايَنَةُ تُغْنِيْكَ عَنِ الْخَبَرِ هَلْ رَاَيْتَ مِنْ اَهْلِ الْقِمَارِ اِلَّا مَا ذَكَرْنَاهُ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ ص۱۰۱)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جوا حرام اور ناپاک کمائی ہے، اسلئے کہ یہ لوگوں سے ان کے مال کو اچک لینا ہے، اس کی بنیاد جہالت، حرص، آرزوئے باطل اور فریب دہی کی پیروی پر ہے، یہی چیزیں جواری کو باطل شرطوں پر آمادہ کرتی ہیں تمدّن و ترقی اور ایک دوسرے کے تعاون میں اسکو کوئی دخل نہیں ہے، ہارا ہوا جواری اگر خاموش رہتا ہے تو اندرونی غیظ و غضب اور محرومی کے جذبات کو سینہ میں دبا کر خاموش رہتا ہے، اگر لڑتا ہے تو کہا جائے گا کہ اس چیز پر لڑ رہا ہے جس کا اس نے اپنے قصد و ارادے سے ارتکاب کیا ہے اور جیتے ہوئے کو جو لذّت اور سرور حاصل ہوتا ہے وہ اسکو چین سے بیٹھنے نہیں دیتا، بلکہ اس سے بڑے جوے کی دعوت دیتا ہے، اسکی حرص اسکو اس سے باز نہیں آنے دیتی، اور کچھ عرصے کے بعد ایسا ہوتا ہے کہ کایا پلٹ جاتی ہے، یعنی جیتا ہوا ہار جاتا ہے، جوئے کی عادت

اموال کو تباہ کرتی ہے، بڑے بڑے جھگڑوں کو جنم دیتی ہے، مطلوبہ منافع کو ضائع کرتی ہے اور ایکدوسرے کا تعاون جس پر تمدن کی بنیاد ہے اسکی دشمن ہے، اس کا سب سے بڑا ثبوت خود مشاہدہ ہے، کیا آپ نے جواریوں میں ان چیزوں کے سوا دوسری چیزوں کا مشاہدہ کیا ہے؟

عزیزانِ گرامی! جوا کاہلی کی دعوت دیتا ہے، حرام خوری کا عادی بناتا ہے، جوا مال حاصل کرنیکا غیر فطری، غیر شرعی اور غیر اخلاقی طریقہ ہے، جوا رحمدلی کے بجائے سنگدلی پیدا کرتا ہے، جوا تمدن و روحانیت کا دشمن ہے، شریعت نے زکوٰۃ کو فرض قرار دیکر اور نفلی صدقات کی دعوت دیکر محتاجوں کو غنی بنانے کی کوشش کی، جوا اس کے برعکس اغنیاء کو محتاج بنانے کا شیطانی عمل ہے، جوے کی کمائی سے جو خون بنتا ہے اس سے عالی ظرفی، عالی دماغی اور روح کے لطیف احساسات کی توقع نہیں کیجا سکتی، مولانا روم فرماتے ہیں ؎

علم و حکمت زاید از نانِ حلال ؛ عشق و رقت آید از نانِ حلال

علم و حکمت میں اضافہ حلال لقموں سے ہوتا ہے حرام سے نہیں عشق الٰہی اور رقتِ طبع مالِ حلال سے پیدا ہوتی ہے حرام سے نہیں۔

لہٰذا ہم آخر میں برادران اسلام کو متوجہ کرتے ہیں کہ وہ اس لعنت سے باز آئیں اور ملت کے دردمند شاعر کا یہ پیغام یاد رکھیں ؎

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

●●●

رذائل

امّا بعد: فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا (نساء)، اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَکْبِرِیْنَ (نحل)

بیشک اللہ تعالیٰ اسکو پسند نہیں کرتا جو مغرور اور شیخی باز ہو، نیز دوسری جگہ ارشاد ہے، بیشک اللہ غرور کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔

برادرانِ اسلام اور خواتین کرام! آج کا موضوع ہے رذائل یعنی وہ بری خصلتیں جنکو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے، جنکی برائی کو ہر عقلمند جانتا اور مانتا ہے، بلکہ جب وہ کسی قوم میں عام ہوجاتی ہیں تو پوری قوم کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتی ہیں، یعنی اسکی دینی و دنیاوی ترقیوں کی راہیں مسدود، اور سعادت اور اقبال کا دروازہ اس پر بند ہوجاتا ہے۔

قرآن کریم میں رذائل کو مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے، مثلاً مُنْکَرٌ (بری باتیں)، فَحْشَاءٌ (بے حیائی)، سَیِّئَۃٌ (برا)، سُوْءٌ (برائی)

مُکرُوہٌ (ناپسندیدہ) خَطَاٌ (ناصواب) اِثمٌ (گناہ) عُدوَانٌ (زیادتی) وغیرہ۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ تین اندرونی بیماریاں ایسی ہیں جو تمام اندرونی بیماریوں کی جنم داتا ہیں، وہ ام الخبائث ہیں، سب سے پہلے انہی تین بیماریوں کا ظہور ہوا ہے، ان تینوں میں سب سے پہلی بیماری غرور و تکبر ہے، سب سے پہلا گناہ ابلیس سے تکبر کی صورت میں ظاہر ہوا وہ آدمؑ کے سامنے سربسجود ہونے سے اکڑ گیا اور متکبرانہ لہجے میں بولا : "اَنَا خَیرٌ مِّنہُ" میں آدم سے بہتر ہوں، اللہ تعالیٰ نے اسکو ہمیشہ کیلئے ملعون قرار دیا ہے

تکبر عزازیل را خوار کرد ؎ بزندانِ لعنت گرفتار کرد

تکبر نے عزازیل یعنی ابلیس کو ذلیل کر دیا اور ہمیشہ کیلئے لعنت کے قید خانہ میں ڈالدیا۔

دوسری بیماری یا دوسرے گناہ کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام سے حرص کی صورت میں ہوا، انھوں نے زیادہ زندہ رہنے کی حرص میں آکر ممنوعہ درخت سے کھالیا آخر کار جنت سے نکالے گئے۔

تیسرا گناہ روئے زمین پر قابیل سے سرزد ہوا، اس نے حسد میں آکر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا، یہ تین بنیادی گناہ ہیں، غرور، حرص، اور حسد، انہی بیجوں سے تمام گناہوں کی شاخیں پھوٹی ہیں، اس لئے یہ بیحد خطرناک بیماریاں ہیں۔

کبر و غرور کے جو ثمرات ظاہر ہوتے ہیں ان کا کوئی شمار نہیں کیا جاسکتا، مثلاً ایک متکبر شخص عام لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا،

بات چیت کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے، اسکی یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے رہیں، جب لوگوں سے ملتا ہے تو چاہتا ہے کہ لوگ پہلے اسکو سلام کریں، راستے میں لوگوں سے آگے چلنا چاہتا ہے، مجلسوں میں صدر بننے کی کوشش کرتا ہے۔

کبر و غرور کی چند عام اور بدنما صورتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے، مثلاً "وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّكَ لَن تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَن تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا" اور زمین میں اکڑ کر نہ چلا کر، کیونکہ اس دھماکے کے ساتھ چلنے سے تو زمین کو پھاڑ نہیں سکے گا اور نہ تن کر چلنے سے پہاڑوں کی لمبائی کو پہونچ سکے گا۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ" اور لوگوں کے سامنے منہ نہ بنا اور زمین میں اترا کر نہ چل، بیشک اللہ تعالیٰ گھمنڈ والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا، تواضع و خاکساری رحمٰن کا بندہ ہونے کی خاص پہچان ہے۔

"وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا" اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے جہالت کی باتیں کرنے لگیں تو ان کو سلام کریں اور الگ ہو جائیں۔

"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو تم میں بڑا پرہیز گار ہے" اس جملے نے غرور کے تمام اسباب کی نفی کردی، حسب و نسب، حسن و جمال، مال و دولت قوت و طاقت، گروہ و جتھا، ان میں سے کوئی چیز فخر کے لائق نہیں ہے۔

ے برمال وجمال خویش مغرور مشو ۔ کایں را بتیے برند وانرا بشبے

اپنے مال اور جمال پر مغرور ہونیکی ضرورت نہیں، ایک تپ اور بخار میں سارا حسن وجمال کافور ہوجاتا ہے اور آدمی برساتی مینڈک کی طرح پیلا پڑجاتا ہے، اور مال کی حقیقت یہ ہے کہ چوروں اور ڈاکوؤں کا داؤ چل جائے تو رات بھر میں پوری عمر کی کمائی کر لے اڑیں۔

کبر وغرور کیا ہے؟ خود کو بہتر اور دوسروں کو کمتر سمجھنا اور حق بات کو تسلیم نہ کرنا۔

بعض اہل تحقیق کا قول ہے کہ غرور کفر سے زیادہ خطرناک ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو کفر کی بنیاد غرور ہے، غرور ہی کی بنیاد پر کفر اختیار کیا جاتا ہے، نیز کافر کو توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے، لیکن مغرور کو نہیں ہوتی۔

مسلم شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ، کُلُّ ضَعِیْفٍ مُتَضَعَّفٍ، اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِاَهْلِ النَّارِ کُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَکَبِّرٍ" کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے، ہر وہ شخص جو کمزور ہو اور اسکو لوگ کمزور سمجھیں، کیا میں تم کو بتاؤں کہ دوزخی کون ہے، ہر اکھڑ، بدخو، اور مغرور شخص۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ النَّارُ: اُوْثِرْتُ بِالْمُتَکَبِّرِیْنَ وَالْمُتَجَبِّرِیْنَ وَ قَالَتِ الْجَنَّةُ مَا لِیْ لَا یَدْخُلُنِیْ اِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسِقَاطُهُمْ وَعَجَزَتُهُمْ فَقَالَ اللّٰهُ لِلْجَنَّةِ اِنَّمَا اَنْتِ رَحْمَتِیْ اَرْحَمُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِیْ وَقَالَ لِلنَّارِ اِنَّمَا اَنْتِ عَذَابِیْ اُعَذِّبُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ وَلِکُلٍّ وَاحِدَةٍ مِنْکُمَا مِلْئُوْهَا" (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جنت اور دوزخ میں مناظرہ ہوا، دوزخ نے کہا کہ میرے اندر بڑے بڑے متکبّر اور جبّار رہیں گے، تو جنت نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا کہ مجھے کیا ہوا کہ میرے اندر کمزور، گرے پڑے عاجز وناتواں لوگ رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ: تو میری رحمت ہے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہوں اسکو رحمت سے نوازتا ہوں اور دوزخ سے فرمایا: تو میرا عذاب ہے، تیرے ذریعہ جس کو چاہتا ہوں عذاب دیتا ہوں، اور تم دونوں کو بھرنا میرے ذمّے ہے۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِىْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرٍ (مسلم شریف) وہ شخص جنت میں نہیں جاسکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبّر ہے، اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں "وَاِنَّمَا صَارَ حِجَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ لِاَنَّهٗ يَحُوْلُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ اَخْلَاقِ الْمُؤْمِنِيْنَ كُلِّهَا وَتِلْكَ الْاَخْلَاقُ هِىَ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَالْكِبْرُ وَعِزَّةُ النَّفْسِ يُغْلِقُ تِلْكَ الْاَبْوَابَ كُلَّهَا، لِاَنَّهٗ لَا يَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُحِبَّ لِلْمُؤْمِنِيْنَ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ وَفِيْهِ شَىْءٌ مِنَ الْعِزِّ" (احیاء العلوم جلد ۳ صفحہ ۳۴۴)

غرور جنت میں جانے سے مانع کیوں ہے؟ غرور جنت کے لئے حجاب کیوں ہے، اس لئے کہ غرور انسان کو تمام مومنانہ اخلاق سے روک دیتا ہے، اور مومنانہ اخلاق ہی جنت کا دروازہ ہیں، غرور ان تمام دروازوں کو بند کردیتا ہے، مثلاً مغرور آدمی اس پر قادر نہیں کہ اہلِ ایمان کیلئے اسی چیز کو پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ عزت کی چیز ہے، مغرور آدمی تواضع پر قادر نہیں، جبکہ تواضع تمام اخلاق کی سردار ہے اور عنداللہ یہ بھی عزت کی چیز ہے، مغرور آدمی کینے کے ترک کرنے پر قادر نہیں حالانکہ عنداللہ یہ بھی عزت کی چیز ہے، مغرور سچائی پر برقرار نہیں رہتا جبکہ وہ بھی عزت کی چیز ہے، مغرور آدمی غصے کو ترک کرنے پر قادر نہیں حالانکہ عنداللہ اسمیں عزت ہے، مغرور آدمی حسد کے ترک کرنے پر قادر نہیں جبکہ وہ بھی عزت کی چیز ہے، مغرور آدمی نصیحت کے قبول کرنے پر قادر نہیں جبکہ اسمیں بھی عزت ہے، مغرور آدمی لوگوں کی تحقیر کرنے اور انکی غیبت کرنے سے محفوظ نہیں رہتا، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ عزت کی چیز ہے، کلام کو زیادہ طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بری عادت نہیں ہے جسمیں کبر و غرور والا شخص مبتلا نہ ہو، اور کوئی اچھی عادت نہیں ہے جس سے وہ دور نہ ہو یہی وجہ ہے کہ جنت میں وہ شخص نہیں جا سکتا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر غرور ہو۔

بدترین غرور وہ ہے جو قبولِ حق سے مانع ہو "اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ" بیشک وہ لوگ جو میری عبادت سے اکڑتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہونگے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ" میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو دور رکھوں گا جو زمین میں ناحق اکڑتے ہیں، اس آیت کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ متکبر کو فہم قرآن نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے "اِنَّ الزَّرْعَ یَنْبُتُ فِی السَّھْلِ وَلَا یَنْبُتُ عَلَی الصَّفَا" کھیتی نرم زمین میں ہو سکتی ہے، سخت چٹان پر نہیں۔

حضرات! غور فرمائیے کہ اگر غلام بادشاہ کا تاج اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لے اور اس کے تخت پر بیٹھ جائے تو کس قدر رسوائی اور سزا کا مستحق ہے، بس یہی معنیٰ ہیں حدیث قدسی کے "اَلْعَظْمَةُ اِزَارِیْ وَالْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْھِمَا قَصَمْتُہٗ" عظمت میرا تہبند اور کبریائی میری چادر ہے، جو شخص مجھ سے میری ان دو چیزوں کے بارے میں جھگڑے گا، میں اسکو توڑ کر رکھ دوں گا۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ غرور کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، رفتار سے، گفتار سے، عادات واطوار سے، نشست وبرخاست سے اور حرکات وسکنات سے۔

(۱) متکبر یہ چاہتا ہے کہ لوگ اسکو دیکھ کر کھڑے ہو جائیں، یا یہ کہ وہ بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں، حالانکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا "مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِنْ اَھْلِ النَّارِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی رَجُلٍ قَاعِدٍ وَبَیْنَ یَدَیْہِ قَوْمٌ قِیَامٌ" اگر کوئی شخص کسی دوزخی کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس شخص کو دیکھ لے جو خود بیٹھا ہوا ہے اور اس کے سامنے لوگ کھڑے ہیں۔

(۲) متکبر کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ جب کہیں جائے تو اس کے پیچھے کچھ لوگ چلیں، جبکہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے "لَا یَزَالُ الْعَبْدُ مِنَ اللہِ بُعْدًا مَا مَشٰی خَلْفَہٗ" جو لوگوں کو اپنے پیچھے لیکر چلتا ہے، اسکی دوری اللہ تعالیٰ سے بڑھتی جاتی ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کے پیچھے کچھ لوگ چلنے لگے تو آپ نے منع فرمادیا اور فرمایا "مَا یُبْقِیْ ھٰذا مِنْ قَلْبِ الْعَبْدِ" یہ چیز انسان کے دل میں کچھ رہنے نہیں دیتی۔

(۳) متکبّر کسی سے ملنے نہیں جاتا، خواہ اس سے ملنے میں دین کی خیر ہو اور سلف کا حال یہ تھا کہ حضرت سفیان ثوریؒ "رملہ" میں تشریف لائے تو ابراہیم ابن ادہمؒ نے ایک آدمی بھیج کر کہلوایا "اَنْ تَعَالْ فَحَدِّثْنَا" کہ یہاں آؤ ذرا کچھ باتیں کریں گے، حضرت سفیان ثوریؒ فوراً ان کی قیام گاہ پر پہونچ گئے، کسی نے ابراہیم ابن ادہمؒ سے کہا کہ اتنے بڑے آدمی کو اس طرح بلوانے کی کیا ضرورت تھی؟ فرمایا: اَرَدْتُ اَنْ اَنْظُرَ کَیْفَ تَوَاضُعُہٗ" میں نے یہ چاہا کہ دیکھوں ان میں تواضع ہے یا نہیں۔

(۴) متکبّر یہ نہیں چاہتا کہ کوئی اسکے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھے، حالانکہ ابن وہب فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبدالعزیز ابن ابورواد کے پاس بیٹھا تو میری ران ان کی ران سے چھوگئی، میں فوراً پیچھے کھسکا تو حضرت نے میرے کپڑے پکڑ کر مجھ کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور فرمایا، لِمَ تَفْعَلُوْنَ بِیْ مَا تَفْعَلُوْنَ بِالْجَبَابِرَۃِ وَاِنِّیْ لَا اَعْرِفُ رَجُلًا مِنْکُمْ شَرًّا مِنِّیْ"، میرے ساتھ ایسا عمل کیوں کرتے ہو جو متکبّرین وجبّارین کے ساتھ کیا جاتا ہے، حالانکہ میں نہیں سمجھتا کہ تم میں سے کوئی مجھ سے بدتر ہوگا۔

(۵) متکبّر انسان بیماروں کے پاس بیٹھنے سے انتہائی گریز کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال یہ تھا کہ حضرت کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھے لوگ کھانا کھارہے تھے، اسی وقت ایک چیچک کا مریض آگیا

اسکی ہڈیاں ادھڑ چکی تھیں، وہ بیچارہ جہاں بیٹھتا لوگ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر کا معمول تھا "کَانَ لَا یَحْبِسُ عَنْ طَعَامِہٖ مَجْذُوْمًا وَلَا مُبْتَلًی اِلَّا اَقْعَدَھُمْ عَلٰی مَائِدَتِہٖ" وہ اپنے کھانے میں ہر ایک کو شریک کرتے تھے، کسی جذامی اور کسی مریض کو دیکھتے تو اپنے دسترخوان پر ضرور بٹھا لیتے۔

(۶) متکبر اپنا کام اپنے ہاتھ سے نہیں کرتا، جبکہ حضرت عمر ابن عبد العزیز رحمہ اللہ خلیفہ ہوتے ہوئے اپنا کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے، ایک مرتبہ رات کو حضرت کے یہاں ایک مہمان آیا، آپ کچھ لکھ رہے تھے چراغ بجھنے لگا، مہمان نے کہا اجازت ہو تو میں چراغ کو صحیح کر دوں آپ نے فرمایا: مہمان سے کام لینا شرافت کے خلاف ہے، مہمان نے کہا تو پھر غلام کو جگا دیا جائے، آپ نے فرمایا یہ اس کی پہلی نیند ہے پھر خود اٹھے اور چراغ کی بتی درست کی پھر چراغ میں تیل ڈالا مہمان نے کہا آپ امیر المومنین ہوتے ہوئے اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہیں، آپ نے فرمایا تو کیا ہوا؟ ذَھَبْتُ وَاَنَا عُمَرُ وَرَجَعْتُ وَاَنَا عُمَرُ مَا نَقَصَ مِنِّیْ شَیْءٌ وَخَیْرُ النَّاسِ مَنْ کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ مُتَوَاضِعًا "میں جب اٹھا تب عمر تھا اور جب لوٹا تب عمر تھا، میری کوئی چیز نہیں گھٹی اور بہترین انسان وہ ہے جو اللہ کے نزدیک متواضع ہو۔

(۷) متکبر اپنا سامان اٹھانے اور لادنے اور گھر تک لانے میں عار محسوس کرتا ہے، حالانکہ یہ متواضعین کی عادت کے خلاف ہے،

خود سید کونین، رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سامان خود اٹھاکر گھر لاتے تھے۔

حدیث شریف میں ہے "مَاتَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَہُ اللّٰہُ" جس نے بھی اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اسکو ضرور اوپر اٹھایا۔

فروتنی سے نہیں کوئی خستہ حال ہوا ؛ گرا جو دانہ زمیں پر وہی نہال ہوا

حرص

حرص وطمع وہ برائی ہے جسمیں نفس کی دنائت پوری طرح ظاہر ہوتی ہے، خصوصًا وہ حرص وطمع جسمیں بخل بھی شامل ہو، عربی میں اس کو "شُحّ" کہتے ہیں جسکی برائی قرآن حکیم میں کئی موقعوں پر آئی ہے: ارشاد ربانی ہے " وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (تغابن) اور خرچ کرو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوگا، اور جو لوگ اپنے جی کی حرص سے بچالئے گئے، وہی کامیاب ہیں" مسلمانوں کا وصف یہ ہے کہ وہ ایثار پیشہ ہوتے ہیں دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھتے ہیں، ایثار دینی ودنیاوی کامیابی کا زینہ ہے اور یہ زینہ کسی کو اس وقت تک نہیں مل سکتا جب تک کہ حرص وطمع کا خاتمہ نہ ہو، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو حرص وآز سے پاک ہونگے وہی کامیاب ہونگے " وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (حشر) اور اپنے اوپر

اوروں کو مقدّم رکھتے ہیں، اگرچہ خود انکو ضرورت ہو اور جو اپنے جی کی حرص سے بچائے گئے وہی کامیاب ہیں۔

نسائی شریف میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ایمان اور حرص ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے، سبب ظاہر ہے، کہ ایمانِ کامل کا نتیجہ صبر توکل اور قناعت ہے، اور حرص کا نتیجہ بے اطمینانی، بے صبری اور ہوس ہے، حریص آدمی کی فطرت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "لَوْ كَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِيَانِ مِنْ ذَهَبٍ لَابْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ تَابَ" (بخاری ومسلم) اگر آدمی کے پاس سونے کی دو وادیاں ہوں تو تیسری کا طالب رہتا ہے، بس آدمی کے پیٹ کو قبر کی مٹی بھرتی ہے اور جو اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اللہ اس کی طرف رجوع ہوتا ہے۔

عَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِيْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ" (ترمذی ودارمی)

کعب ابن مالک اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دو بھوکے بھیڑئے بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنی تباہی نہیں لاتے جتنی تباہی حرصِ مال اور حرصِ جاہ کی وجہ سے دین میں آتی ہے۔

عَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ اِذَا عَمِلْتُهٗ اَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِيَ النَّاسُ، قَالَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا

يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ" (ترمذی وابن ماجہ)

سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ ایک آدمی آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مجھے ایسا عمل بتا دیجئے کہ جب میں اسکو کروں تو اللہ تعالیٰ مجھ سے محبّت کریں اور لوگ بھی محبت کریں، آپ نے فرمایا دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ تم سے محبّت کرے گا، اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز ہو جاؤ تو لوگ تم سے محبت کرینگے۔

عن ابن مسعودٍ قَالَ قال رسول اللّٰہِ صلّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِی رُوْعِیْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتّٰی تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوا فِی الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اِسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِی اللّٰهِ فَاِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهِ " (شرح السنة) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روح القدس یعنی جبریل امین نے میرے دل میں یہ پھونکا کہ کوئی شخص اسوقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق نہ پورا کرلے۔ سنو! اللہ سے ڈرو اور رزق کی جستجو میں اعتدال سے کام لو، اور رزق کی تاخیر تم کو اس بات پر ہرگز نہ آمادہ کرے کہ تم اللہ کی نافرمانی کرکے رزق تلاش کرو، جو اللہ کے پاس ہے وہ اللہ کی طاعت ہی کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰی اَنْ سَفَكُوا دِمَاءَهُمْ

وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ" (مسلم شریف)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! ظلم سے بچو، اسلئے کہ ظلم قیامت کے دن بہت سی تاریکیوں کی صورت میں سامنے آئیگا، اور حرص سے بچو، اسلئے کہ حرص نے تم سے پہلی امتوں کو ہلاک و برباد کر دیا، حرص نے انکو اسپر آمادہ کیا کہ انھوں نے اپنے ہی لوگوں کا خون بہایا اور انکی عورتوں کو اپنے لئے حلال کیا۔

محترم حضرات! یہ قول کتنا حکیمانہ ہے "مَاعَزَّ مَنْ طَمِعَ وَمَاذَلَّ مَنْ قَنِعَ وَمَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ" حریص کبھی باعزت نہیں ہو سکتا، اور قناعت شعار کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا اور میانہ روی اختیار کرنیوالا کبھی محتاج نہیں ہو سکتا۔ آتش کہتے ہیں ؎

شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ ، قناعت بھی بہار بے خزاں ہے

امام شعبیؒ فرماتے ہیں:۔ حُكِيَ اَنَّ رَجُلًا صَادَ قُنْبُرَةً فَقَالَتْ مَا تُرِيْدُ اَنْ تَصْنَعَ بِيْ قَالَ اَذْبَحُكِ وَاٰكُلُكِ، قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا اَشْفِيْ مِنْ قَرَمٍ وَلَا اُشْبِعُ مِنْ جُوْعٍ وَلٰكِنْ اُعَلِّمُكَ ثَلَاثَ خِصَالٍ هِيَ خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَكْلِيْ الخ

منقول ہے کہ ایک آدمی نے ایک چھوٹی سی چڑیا کا شکار کیا، چڑیا نے پوچھا آپ مجھے کیا کریں گے، شکاری نے کہا تمکو ذبح کر کے تمہارا گوشت کھائیں گے، چڑیا نے کہا بخدا نہ میں گوشت کی اشتہا پوری کر سکتی ہوں اور نہ بھوک کو دفع کر سکتی ہوں، اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ مجھ سے تین حکمت کی باتیں سیکھ لیجئے اور مجھ کو آزاد کر دیجئے

پہلی حکمت آپکو اسوقت بتاؤں گی جب آپکے ہاتھ میں ہونگی، اور دوسری اسوقت جب درخت پر جا بیٹھوں گی اور تیسری اسوقت جب پہاڑ پر پہونچ جاؤں گی، شکاری نے کہا چلو پہلی بات بتاؤ، اس نے کہا، "لاتَلْهَفَنَّ عَلیٰ مَا فَاتَكَ" فوت شدہ چیز پر ہرگز رنج نہ کرو، یہ سنتے ہی اس نے اسکو آزاد کر دیا، جب وہ درخت پر جا بیٹھی تو شکاری نے کہا دوسری بات بتاؤ، اس نے کہا "لَاتُصَدِّقَنَّ بِمَالَایَکُوْنُ اَنَّہٗ یَکُوْنُ"، ناممکن چیز کی کبھی تصدیق نہ کرنا، یہ کہہ کر وہ پہاڑ پر جا بیٹھی اور کہنے لگی "یَا شَقِیُّ لَوْذَبَحْتَنِیْ لَاَخْرَجْتَ مِنْ حَوْصِلَتِیْ دُرَّتَیْنِ زِنَةُ کُلِّ دُرَّةٍ عِشْرُوْنَ مِثْقَالًا" اے بدبخت اگر تو مجھے ذبح کرتا تو میرے پوٹے میں تجھکو دو بڑے موتی ملتے، جن میں سے ہر ایک کا وزن بیس مثقال (تقریباً ۸ تولہ) ہے، یہ سن کر شکاری نے انگلی دانتوں تلے دبالی اور کف افسوس ملنے لگا، پھر کہا کہ تیسری حکمت کیا ہے؟ چڑیا نے کہا تونے پہلی دونوں حکمتیں فراموش کر دیں، اب میں تجھے تیسری کیونکر بتاؤں، کیا میں نے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ فوت شدہ چیز پر رنج نہ کرنا اور ناممکن چیز کی تصدیق نہ کرنا، ذرا غور کر کہ میرا گوشت، پوست، بال و پر سب ملاکر بیس مثقال نہیں ہونگے تو میرے پوٹے کے اندر اس طرح کے دو موتیوں کا ہونا کیونکر ممکن ہے، چڑیا نے یہ بات کہی اور اڑ گئی، یہ حکایت نقل کر کے امام غزالی فرماتے ہیں "هٰذَا مِثَالٌ لِفَرْطِ طَمَعِ الْاٰدَمِیِّ فَاِنَّہٗ یُعْمِیْهِ عَنْ دَرْكِ الْحَقِّ حَتّٰی یُقَدِّرَ مَالَایَکُوْنُ اَنَّہٗ یَکُوْنُ" یہ انسان کی انتہائی حرص کی مثال ہے، حرص آدمی کو اندھا کر دیتی ہے، چنانچہ وہ حقیقت کو

دریافت نہیں کرپاتا اور ناممکن کو ممکن سمجھنے لگتا ہے، عارفِ رومی فرماتے ہیں

؎ بند بگسل باش آزاد اے پسر ٭ چند باشی بندِ سیم و بندِ زر

بیٹا! بندشوں کو توڑ دو اور آزاد ہو جاؤ، تم کب تک سونے اور چاندی کے قیدی بنے رہو گے،

گر بریزی بحر را در کوزۂ ٭ چند گنجد قسمتِ یک روزۂ

اگر تم دریا کو کوزے میں بھرنا چاہو تو کوزے میں کتنا آئے گا؟ بس اتنا جتنے میں ایک دن کا کام چل جائے۔

کوزۂ چشمِ حریصاں پر نشد ٭ تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد

حریص کی آنکھوں کا پیالہ بھرتا نہیں ہے، سیپ جبتک قناعت نہیں کرتا موتی سے مالا مال نہیں ہوتا۔

حسد

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ (النساء) یا خدا نے جو اپنے فضل سے لوگوں کو نعمت عطا فرمائی ہے اس پر جلے مرتے ہیں،

حدیث شریف میں ہے "اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ، فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا" بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے، نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ، نہ باہم حسد کرو، نہ ایکدوسرے سے بے تعلق رہو، نہ باہم بغض رکھو، بلکہ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

حافظ ابن حجر نے حدیث کی شرح میں قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے:
المعنیٰ کُونُوا کَاِخْوَانِ النَّسَبِ فِی الشَّفْقَةِ وَالرَّحْمَةِ وَالْمَحَبَّةِ وَالْمُوَاسَاةِ وَالْمُعَاوَنَةِ وَالنَّصِیْحَةِ "اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ رحم و شفقت، غمخواری محبت، اعانت اور خیر خواہی میں نسبی بھائیوں کی طرح ہو جاؤ، لیکن یہ بھائی چارہ اسی وقت قائم رہ سکتا ہے، جب ان تمام بداخلاقیوں یعنی حسد و کینہ وغیرہ سے پرہیز کیا جائے ورنہ بھائی چارے کے بجائے دشمنی پیدا ہو گی۔

حافظ ابن حجر اسی حدیث کی شرح میں جو ابھی آپکو سنائی گئی ہے لکھتے ہیں "کَاَنَّهٗ قَالَ اِذَا تَرَکْتُمْ هٰذِهِ الْمَنْهِیَاتِ کُنْتُمْ اِخْوَانًا، مَفْهُوْمُهٗ اِذَا لَمْ تَتْرُکُوْهَا تَصِیْرُوْا اَعْدَاءً وَمَعْنٰی کُوْنُوْا اِخْوَانًا اکْتَسِبُوْا مَا تَصِیْرُوْنَ بِهٖ اِخْوَانًا" گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب تم لوگ منہیات سے بچو گے تو بھائی بھائی ہو جاؤ گے، اور اسکا مفہوم یہ ہے کہ جب انکو نہ چھوڑو گے تو دشمن ہو جاؤ گے، اور بھائی بھائی بننے کے معنیٰ یہ ہیں کہ وہ اخلاقی خوبیاں حاصل کرو جس کی وجہ سے بھائی بھائی بن جاؤ۔

قَالَ اَنَسٌ: کُنَّا یَوْمًا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَطْلُعُ عَلَیْکُمُ الْاٰنَ مِنْ هٰذَا الْفَجِّ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قَالَ فَطَلَعَ رَجُلٌ مِنَ الْاَنْصَارِ یَنْفُضُ لِحْیَتَهٗ مِنْ وُضُوْئِهٖ قَدْ عَلَّقَ نَعْلَیْهِ فِیْ یَدِهِ الشِّمَالِ، فَسَلَّمَ، فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ، قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ ذَالِكَ، فَطَلَعَ ذَالِكَ الرَّجُلُ وَقَالَهٗ فِی الْیَوْمِ الثَّالِثِ فَطَلَعَ ذَالِكَ الرَّجُلُ فَلَمَّا قَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَبِعَهٗ

عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِوابْنِ الْعَاصِ، فَقَالَ لَهٗ اِنِّیْ لَاحَیْتُ اَبِیْ فَاَقْسَمْتُ اَنْ لَا اَدْخُلَ عَلَیْهِ ثَلٰثًا فَاِنْ رَاَیْتَ اَنْ تُؤْوِیَنِیْ اِلَیْكَ حَتّٰی تَمْضِیَ الثَّلَاثُ فَعَلْتَ، فَقَالَ نَعَمْ ! فَبَاتَ عِنْدَهٗ ثَلَاثَ لَیَالٍ فَلَمْ یَرَهٗ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّهٗ اِذَا انْقَلَبَ عَلٰی فِرَاشِهٖ ذَكَرَ اللّٰهَ وَلَمْ یَقُمْ اِلَّا لِصَلٰوةِ الْفَجْرِ، قَالَ غَیْرَ اَنِّیْ مَا سَمِعْتُهٗ یَقُوْلُ اِلَّا خَیْرًا فَلَمَّا مَضَتِ الثَّلَاثُ وَكِدْتُ اَنْ اَحْتَقِرَ عَمَلَهٗ، قُلْتُ یَا عَبْدَ اللّٰهِ لَمْ یَكُنْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ وَالِدِیْ غَضَبٌ وَلَا هِجْرٌ وَلٰكِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ یَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا فَاَرَدْتُ اَنْ اَعْرِفَ عَمَلَكَ، فَلَمْ اَرَكَ تَعْمَلُ عَمَلًا كَثِیْرًا، فَمَا الَّذِیْ بَلَغَ بِكَ ذَالِكَ ؟ فَقَالَ مَا هُوَ اِلَّا مَا رَاَیْتَ غَیْرَ اَنِّیْ لَا اَجِدُ عَلٰی اَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ فِیْ نَفْسِیْ غِشًّا وَلَا حَسَدًا عَلٰی خَیْرٍ اَعْطَاهُ اللّٰهُ اِیَّاهُ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ : فَقُلْتُ هِیَ الَّتِیْ بَلَغَتْ بِكَ وَهِیَ الَّتِیْ لَا نُطِیْقُ" (مسند احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے فرمایا، ابھی اس راستے سے تمہارے پاس ایک جنتی آدمی آئیگا، حضرت انس رضؓ کہتے ہیں کہ اسکے بعد انصار میں سے ایک صاحب آئے جو اپنی داڑھی سے وضو کا پانی جھاڑ رہے تھے اور بائیں ہاتھ میں جوتے لٹکا رکھے تھے، انھوں نے آتے ہی ہم لوگوں کو سلام کیا، جب اگلا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی طرح کی بات فرمائی اور اس کے بعد وہی صاحب تشریف لائے، تیسرے دن پھر آپ نے یہی فرمایا اور اس دن بھی وہی صاحب تشریف لائے، تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھ گئے، تو عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضؓ

ان صاحب کے ساتھ ہولئے اور ان سے کہا کہ میں نے اپنے والد سے جھگڑا کر لیا ہے اور قسم کھالی ہے کہ تین دن تک گھر نہیں جاؤں گا، تو اگر آپ مناسب سمجھیں تو تین دن مجھے اپنے گھر رہنے کی اجازت دیدیں انھوں نے کہا بہت اچھا، مجھے آپکی ضیافت بسروچشم منظور ہے، عبداللہ ابن عمرو ابن عاص ان کے پاس تین شب رہے، لیکن نہ تو ان کو تہجد پڑھتے دیکھا اور نہ کوئی اور ریاضت اور مجاہدہ میں پایا، ہاں بستر پر جاتے وقت وہ کچھ دعا وغیرہ پڑھ لیتے تھے، وہ سوتے تھے تو فجر کی نماز ہی کیلئے اٹھتے تھے۔

عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ ان تین دنوں میں میں نے انکی زبان سے خیر کے سوا، کوئی بات نہیں سنی، تو جب تین دن گذر گئے اور قریب تھا کہ میں ان کے عمل کو معمولی قرار دوں، میں نے ان سے کہا اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوا، بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے تمہارے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسطرح فرماتے ہوئے سنا تو میں نے چاہا کہ تمہارے اعمال دیکھوں، تو میں نے آپ کو کچھ زیادہ عمل کرتے ہوئے بھی نہیں پایا، تو پھر وہ کونسی چیز ہے جس نے آپ کو اس رتبہ تک پہونچایا، انھوں نے کہا یہاں تو بس وہی ہے جو آپ نے دیکھا پھر جب میں جانے لگا تو انھوں نے مجھے بلایا اور کہا کہ میرے اعمال تو وہی ہیں جو آپ نے دیکھے، مگر ہاں! ایک چیز یہ ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کیلئے کھوٹ اور حسد نہیں پاتا حضرت عبداللہ نے کہا، بس یہی وہ عادت ہے اور یہی وہ عمل ہے جس نے آپ کو

اس رتبہ تک پہونچایا اور یہی وہ چیز ہے جو ہر ایک کے بس میں نہیں ہے ایک حدیث میں ہے " ثَلَاثٌ لَا يَنْجُو مِنْهُنَّ اَحَدٌ، الظَّنُّ وَالطِّيَرَةُ وَالْحَسَدُ، وَسَاُحَدِّثُكُمْ بِالْمَخْرَجِ مِنْ ذَالِكَ. اِذَا ظَنَنْتَ فَلَا تُحَقِّقْ وَاِذَا تَطَيَّرْتَ فَامْضِ وَاِذَا حَسَدْتَ فَلَا تَبْغِ" (ابن ابی الدنیا) تین چیزوں سے کوئی محفوظ نہیں ہے، بدگمانی، بدفالی اور حسد اور میں تم کو ان سے نکلنے کا طریقہ بتاتا ہوں، جب تمہیں کسی کے بارے میں بدگمانی ہو جائے تو اسکی تحقیق نہ کرو، اور جب تمہارے ذہن میں بدفالی آئے تو کام سے نہ رکو اور جب حسد ہو جائے تو حسد پر عمل نہ کرو اور حد سے نہ گذرو، دہلی کے مشہور شاعر ذوق دہلوی کہتے ہیں کہ اگرچہ دشمن سے حسد کرنے کے بہتّر طریقے ہیں، لیکن اپنا طریقہ یہ ہیکہ حسد سے الگ ہی رہتے ہیں ؎

ہفتاد دو طریق حسد کے عدو سے ہیں
اپنا ہے یہ طریق کہ باہر حسد سے ہیں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے "كُلُّ النَّاسِ اَقْدِرُ عَلٰى رِضَاهُ اِلَّا حَاسِدَ نِعْمَةٍ فَاِنَّهُ لَا يُرْضِيهِ اِلَّا زَوَالُهَا" ہر شخص کو میں خوش کر سکتا ہوں، لیکن حاسد کو نہیں خوش کر سکتا، اس لئے کہ وہ تو میری نعمت کے زوال سے خوش ہوتا ہے۔

؎ كُلُّ الْعَدَاوَاتِ قَدْ تُرْجٰى اِزَالَتُهَا
اِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدِ

ہر دشمنی کے ازالے کی امید کی جاسکتی ہے لیکن اس دشمنی کے ازالے کی امید نہیں کیجاسکتی جو حسد کی بنیاد پر ہوئی ہے۔

ایک اعرابی کا قول ہے " مَا رَأَيْتُ ظَالِمًا أَشْبَهَ بِمَظْلُومٍ مِنْ حَاسِدٍ أَنَّهُ يَرَى النِّعْمَةَ عَلَيْكَ نِقْمَةً عَلَيْهِ " اگر ایسے ظالم کو دیکھنا ہو جو مظلوم کے مشابہ ہے، تو حاسد کو دیکھ لو وہ آپکی نعمت کو اپنے لئے عذاب سمجھتا ہے۔

امام غزالی نے لکھا ہے کہ حسد کے بہت سے اسباب ہیں، عداوت کبر، حبِّ جاہ، اندیشۂ زیاں، لیکن ان سب سے بدتر وہ حسد ہے جو خبثِ نفس کے تحت ہوتا ہے، کچھ خبیث النفس ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اللہ کے بندوں کی خوشحالی نہیں جاتی، ہاں اگر لوگوں کا ادبار، افلاس اور انکی خستہ حالی کا ذکر آتا ہے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں، وہ ہمیشہ یہی چاہتے ہیں کہ لوگ مصیبت زدہ اور پریشان حال دکھائی دیں وہ نہیں چاہتے کہ اللہ کی نعمت کسی کو ملے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انکی ملکیت اور ان کے خزانے سے جارہا ہو، ایسے خبیث النفس بخیل نہیں بلکہ شحیح ہوتے ہیں، بخیل وہ ہے جو اپنا مال خرچ کرنے میں تکلیف محسوس کرے اور شحیح وہ ہے جو دوسروں کا مال خرچ کرنے میں تکلیف محسوس کرے، حاسد کو یہی تکلیف ہے کہ فلاں بندے کو اللہ اپنی نعمت کیوں دے رہا ہے۔

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ " برا داؤں، داؤں چلنے والے ہی پر پڑتا ہے۔

بعض اوقات حاسد محسود کیلئے بُری چال چلتا ہے، پھر اس چال میں خود ہی آجاتا ہے اور محسود بچ جاتا ہے۔

بکر ابن عبداللہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے وہ آپکے گوش گذار

کرتا چلوں، ایک آدمی کو بادشاہ کے یہاں اتنا تقرب حاصل تھا کہ اسکو بادشاہ اپنے پہلو میں بٹھاتا تھا، وہ بادشاہ سے اکثر ایک جملہ کہا کرتا تھا، اَحْسِنْ اِلَی الْمُحْسِنِ بِاِحْسَانِہٖ فَاِنَّ الْمُسِیْئَ فَسَیَکْفِیْکَہٗ اِسَاءَتُہٗ" نکوکار کو اسکی نکوکاری کا صلہ دیجئے اور بدسلوکی کرنیوالے کی فکر نہ کیجئے، اسکی بدسلوکی اس سے خود بدلہ لے لیگی۔

اس شخص کو بادشاہ سے جو قرب حاصل تھا اور اس سے اسکو جو ہمکلامی کا شرف حاصل تھا اس پر ایک شخص کو اس سے حسد ہو گیا اور اس نے ریشہ دوانی شروع کر دی، بادشاہ سے جا کر کہا کہ جو شخص آپ کے قریب بیٹھتا ہے اور اکثر ایک جملہ دہرایا کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ بادشاہ سلامت اَبْخَر ہیں، یعنی گندہ دہنی کے مریض ہیں ان کے منہ سے بدبو آتی ہے، بادشاہ نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب آپ اسکو اپنے پاس بلائیں گے تو وہ آپ کے قریب آتے ہی اپنا ہاتھ اپنی ناک پر رکھ لے گا، تاکہ آپ کے منہ کی بدبو اس کی ناک میں نہ جائے، بادشاہ نے کہا درست ہے، اب تم جاؤ میں اسکی تحقیق کرونگا، یہ حاسد وہاں سے اٹھ کر اس شخص کے پاس آیا جو بادشاہ کا مقرب تھا، اور اس سے کہا کہ دربار شاہی میں جانے سے پہلے آپکی میرے غریب خانہ پر دعوت ہے، دعوت میں اس کو ایسا کھانا کھلایا گیا جس میں خوب لہسن ڈالا گیا تھا، دعوت سے فارغ ہو کر وہ حسب معمول بادشاہ کے دربار میں بادشاہ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا اور وہی جملہ دہرایا کہ احسان کرنیوالے کے ساتھ احسان کیجئے اور برائی کرنیوالے کو اس کی برائی خود سزا دے گی، بادشاہ

نے کہا ذرا مجھ سے قریب ہو جاؤ، تو وہ قریب ہو گیا، لیکن منہ پہ ہاتھ رکھ لیا کہ کہیں لہسن کی بدبو بادشاہ کو نہ محسوس ہو، بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے تو اپنے جی میں کہا کہ اس شخص نے بالکل سچ کہا تھا، یہ سوچ کر بادشاہ کو اندر اندر بے حد غصہ آیا، اور اس نے اپنے ایک گورنر کو اپنے ہاتھ سے ایک تحریر لکھی اور اس مقرب شاہی سے کہا کہ یہ تحریر فلاں گورنر کو جاکر دیدو تحریر یہ تھی کہ حامل رقعہ ہذا جب تمہارے پاس پہونچے تو اس کو ذبح کرکے اسکی کھال اتاردو، اور کھال میں بھوسا بھر کر میرے پاس بھیجدو، تحریر چونکہ سربمہر تھی اس لئے بادشاہ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا، کہ اس میں کیا لکھا ہے، البتہ بادشاہ کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے قلم سے صلہ اور عطیہ ہی کی تحریر لکھا کرتا تھا، سزا کی تحریر اپنے میر منشی کے قلم سے لکھواتا تھا، اس لئے سب لوگ یہی سمجھے کہ یہ صلہ اور انعام کی تحریر ہے، جب وہ تحریر لیکر باہر آیا تو راستہ میں وہی حاسد مل گیا اور کہنے لگا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے، اس نے کہا، بادشاہ سلامت نے میرے لئے انعام لکھا ہے، حاسد نے حرص میں آکر کہا یہ مجھے دیدو تمہیں تو اکثر مواقع ملتے ہی رہتے ہیں، اس نے کہا بہت اچھا آپ ہی لے لیجئے، یہ کہتے ہوئے تحریر اس کے حوالے کردی وہ حاسد تحریر لیکر گورنر کے پاس پہونچا، گورنر نے کہا کہ اس تحریر میں مجھ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تم کو ذبح کرکے تمہاری کھال اتاردوں یہ سنتے ہی حاسد گھبرا گیا اور رو رو کر کہنے لگا کہ یہ تحریر میرے لئے نہیں ہے، آپ میرے بارے میں اللہ سے ڈریئے، اور بادشاہ

سلامت سے مراجعت کر لیجئے، گورنر نے کہا شاہی فرمان میں مراجعت کی کوئی گنجائش نہیں، بالآخر اسکو ذبح کیا گیا اور کھال اتار کر اس میں بھوسا بھر کر بادشاہ کے پاس بھیجدیا گیا اور وہ مقرب حسب معمول پھر دربار میں حاضر ہوا اور وہی جملہ یعنی "اَحسِنْ اِلَى الْمُحْسِنِ بِاِحسَانِهٖ فَاِنَّ الْمُسِیْٓئَ یَکْفِیْکَهٗ اِسَاءَتُهٗ" پھر دہرایا، بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ کیسے بچ نکلا، چنانچہ بادشاہ نے دریافت کیا کہ اس تحریر کا کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ فلاں صاحب مجھ کو راستے میں مل گئے، اور انھوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ یہ تحریر مجھے عطا کر دیجئے تو میں نے وہ تحریر انکو دیدی، بادشاہ نے کہا کہ اس نے تو مجھ سے یہ کہا تھا کہ تم میرے بارے میں یہ کہتے ہو کہ وہ "ابخر" یعنی گندہ ذہن ہیں، اسنے کہا استغفر اللہ میرے تو خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آئی، بادشاہ نے دریافت کیا کہ تم منہ پر ہاتھ کیوں رکھے ہوئے تھے، اس نے کہا کہ اس شخص مذکور نے ایسا کھانا کھلا دیا تھا جس میں لہسن تھا تو میں نے چاہا کہ اس کی بدبو آپ تک نہ پہونچے، بادشاہ نے کہا سچ کہتے ہو، واقعی بدی کرنیوالے کو اسکی بدی لے ڈوبی۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسد کی بیماری سے بچائے، (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

☆☆☆

تقریر ۲۵ جنت و جہنم

جنت و جہنم

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٥

"وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ زُمَرًا، حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا فُتِحَتْ اَبْوَابُھَا، وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَآ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا، قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَۃُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ، قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا، فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ" "وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ اِلَی الْجَنَّۃِ زُمَرًا، حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَا سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ، وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّۃِ حَیْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ"

اور لیجائے جائینگے وہ لوگ جنھوں نے کفر اختیار کیا دوزخ کی طرف گروہ در گروہ، یہانتک کہ جب دوزخ پر پہونچیں گے تو اس کے

دروازے کھولدیئے جائیں گے، اور ان سے اس کے داروغہ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور تم کو تمہارے اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے وہ کہیں گے کیوں نہیں، لیکن عذاب کا فرمودہ کافروں پر ثابت ہو کر رہا، کہا جائے گا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ ہمیش اسی میں رہو، تو کیا ہی برا ٹھکانا ہے متکبروں کا۔

اور لیجائے جائیں گے وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے، جنّت کی طرف گروہ در گروہ، یہانتک کہ جب وہ جنت پر پہونچیں گے اور اس کے دروازے کھولدیئے جائیں گے اور ان سے اس کے داروغہ کہیں گے تم پر سلامتی ہو، تم پاکیزہ ہو، جنت میں ہمیشہ ہمیش رہنے کیلئے داخل ہو جاؤ، اور وہ جنتی کہیں گے تمام تعریفیں اللہ کی جس نے ہم سے کیا ہوا اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور ہم کو سرزمین جنّت کا وارث بنایا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں تو کیا خوب اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔

برادران اسلام اور محترم خواتین! ماہرین اعداد و شمار کی یہ خبر کہ ہر ایک منٹ میں ساری دنیا کے اندر ایک سَو انسان مرجاتے ہیں ہمارے لئے گھبرا دینے والی بات ہے، اسکا مطلب یہ ہیکہ ہر ایک رات اور دن میں تقریباً پندرہ لاکھ انسان ہمیشہ کیلئے اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ـــــ ۲۴ گھنٹے میں پندرہ لاکھ!

کوئی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اگلے ۲۴ رگھنٹے کیلئے جن پندرہ لاکھ انسانوں کی موت کی فہرست تیار ہو رہی ہے اس میں اسکا

نام شامل ہے یا نہیں، گویا ہر شخص ہر آن اس خطرے میں مبتلا ہے کہ قضا و قدر کا فیصلہ اسکے حق میں موت کا فرشتہ بن کر آپہونچے۔

یہ جانے والے لوگ کہاں جاتے ہیں اس کا جواب آپکو معلوم ہے کہ وہ کائنات کے مالک کے سامنے اپنے کارنامۂ زندگی کا حساب دینے کیلئے حاضر کئے جاتے ہیں، انھیں اس لئے موت آتی ہے کہ دوسری دنیا میں انکی وہ مستقل زندگی شروع ہو جو دنیا کے عمل کے مطابق اچھی یا بری انھیں گذارنی ہے، یہ زندگی یا تو بے حد آرام کی زندگی ہے یا بے حد تکلیف کی زندگی، یہ گھڑی بہر حال آکر رہے گی، ہم سب لوگ ایک ایسے ممکن انجام سے دوچار ہیں جس سے ہم صرف بچنے کی فکر کر سکتے ہیں اسکے آنے کو ہم ٹال نہیں سکتے پھر انسان! تو کس انتظار میں ہے، کیا تجھ کو ہوشیار کرنے کیلئے یہ واقعہ کافی نہیں کہ تو اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکتا، کیا تجھے اپنی زندگی کو بدلنے کیلئے اس سے بڑے کسی محرک کی ضرورت ہے، کہ اگر تو نے دنیا میں اپنی زندگی نہیں بدلی، تو تجھ کو جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیش کیلئے جلنا ہے، کیا تو اس سے نہیں ڈرتا کہ دنیا میں جب تیری قبر پر تیرے معتقدین پھول چڑھا رہے ہوں تو آخرت میں خدا کے فرشتے تیری باغیانہ روش کے جرم میں تجھ پر کوڑے برسائیں۔

وہ دن جو بڑا سخت دن ہوگا وہ جب آئے گا تو سارے زمین و آسمان کو الٹ دے گا، وہ ایک نئی دنیا بنائے گا، جہاں سچ سچ کی شکل میں ظاہر ہوگا، اور جھوٹ جھوٹ کی شکل میں، کوئی نہ خود دھوکے میں رہے گا اور نہ دوسرے کو دھوکہ دے سکے گا، نہ کسی کا زور چلے گا

نہ سفارش کام آئیگی، اس دن تیرے الفاظ کے گھروندے بکھر جائیں گے تیرے جھوٹے فلسفے بے دلیل ثابت ہوں گے، تیری فرضی امیدیں تجھے دھوکہ دیدیں گی، تیرا اقتدار تیرے کچھ کام نہ آئے گا، تیرے خود ساختہ بت تجھے جواب دیدیں گے۔

آہ: انسان کس قدر بے سہارا ہوگا اس روز، حالانکہ اسی دن اسکو سب سے زیادہ سہارے کی ضرورت ہوگی، وہ کتنا محروم ہوگا اس روز حالانکہ اسی دن وہ سب سے زیادہ پانے کا محتاج ہوگا،

اے انسان! آج ہی سن لے کیونکہ کل تو سنے گا مگر تیرا سننا بیکار ہوگا آج ہی سوچ لے کیونکہ موت کے بعد تو سوچے گا، مگر اس وقت کا سوچنا تجھے کچھ کام نہ آئے گا، خدا کا راستہ تیرے سامنے کھلا ہوا ہے، اس کو پکڑ لے، خدا کے رسول پر ایمان لا، خدا کی کتاب کو اپنی زندگی کا دستور بنا، آخرت کے دن کیلئے تیاری کر، یہی تیری کامیابی کا راستہ ہے اسی میں وہ زندگی چھپی ہوئی ہے جس کی تجھے تلاش ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے وقت آئے جس وقت ان کے آنیکا معمول نہیں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر ان کی طرف بڑھے اور فرمایا کہ جبرئیل! کیا بات ہے کہ میں آپ کی رنگت بدلی ہوئی پا رہا ہوں، حضرت جبرئیل نے کہا کہ میں آپ کے پاس اس وقت آیا ہوں جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ کی دھونکیوں کو حکم دیدیا ہے کہ دوزخ کو دہکایا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل! مجھ سے دوزخ کے احوال بیان کیجئے، جبریلؑ نے کہا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوزخ

کو دہکانے کا حکم دیا تو اس کو ایک ہزار سال تک دہکایا گیا، یہانتک کہ وہ سفید ہو گئی، اللہ نے پھر مزید دہکانے کا حکم دیا تو ایک ہزار سال تک دہکائی گئی، یہانتک وہ سرخ ہو گئی، اس کے بعد پھر حکم دیا گیا، چنانچہ ایک ہزار سال اور دہکائی گئی یہانتک کہ وہ سیاہ ہو گئی تو وہ سیاہ اور تاریک ہے، اسکی چنگاریوں میں روشنی نہیں ہے اور نہ اس کے شعلے بجھنے والے ہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر جہنم کی دیواروں میں ایک سوئی سے سوراخ کر کے اس کا رخ دنیا کی طرف کر دیا جائے، تو اس کی گرمی سے روئے زمین کی جتنی چیزیں ہیں سب فنا ہو جائیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپکو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے کہ اگر دوزخ کا کوئی داروغہ روئے زمین پر آجائے تو اسکی گرمی سے پوری دنیا ہلاک ہو جائے، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپکو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر جہنم کا کوئی داروغہ اہل دنیا کے درمیان آجائے، تو اسکی بدصورتی اور بدبو کی وجہ سے کوئی شخص زندہ نہ بچے سب موت کے گھاٹ اتر جائیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے، اگر دوزخیوں کی زنجیر کا ایک چھلا دنیا کے پہاڑوں کے اوپر رکھدیا جائے، تو تمام پہاڑ نیچے کی تہہ تک ریزہ ریزہ ہو جائیں۔

اتنا سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل! بس کرو کہیں میرا دل نہ پھٹ جائے، اور میں مر نہ جاؤں، راوی کہتا ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو وہ رو رہے تھے، تو آپ نے فرمایا آپ جیسا فرشتہ رو رہا ہے جسکا

اللہ کے یہاں بڑا مقام ہے، حضرت جبریل نے جواب دیا کہ میں کیوں نہ روؤں جبکہ مجھے سب سے زیادہ رونا چاہیئے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں میرا خاتمہ میری موجودہ حالت کے خلاف لکھا ہو، اور مجھے کیا معلوم کہ مجھے اس بلا میں مبتلا کر دیا جائے، جس میں ابلیس مبتلا کیا گیا، آخر وہ بھی تو فرشتوں میں سے تھا، یا اس فتنہ میں ڈال دیا جائے جس میں ہاروت و ماروت ڈالے گئے، راوی کہتا ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جبریل دونوں رونے لگے اور مسلسل روتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی "یَا جبریلُ وَیَا محمّدُ اِنَّ اللّٰہ تعالیٰ قَدْ اٰمَنَکُمَا اَنْ تَعْصِیَاہُ" اے جبریل اور اے محمد اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو اپنی نافرمانی سے محفوظ کر دیا ہے، لہٰذا مطمئن رہو، اس بشارت کے بعد جبریل علیہ السلام اوپر چلے گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ کا گذر انصار کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا جو ہنس کھیل رہے تھے تو آپ نے فرمایا: تم لوگ ہنس رہے ہو، حالانکہ تمہارے سامنے جہنم ہے، اگر تم کو وہ چیزیں معلوم ہو جائیں جو مجھ کو معلوم ہیں تو ہنسو کم اور روؤ زیادہ، اور تم کو کھانا پانی اچھا نہ لگے، بلکہ تم جنگلوں میں نکل جاؤ اور اللہ عزّ وجل سے گریہ وزاری کرو، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی کہ اے محمد! میرے بندوں کو مایوس نہ کرو، میں نے تم کو خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا ہے، تنگی میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا" راستی اختیار کرو اور اعتدال پر رہو (الطبرانی فی الأوسط)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رسولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَیُولَجَنَّ

بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صِبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ، هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ فَيَقُولُ لَا: وَاللّٰهِ يَا رَبِّ، وَيُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صِبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ: هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَهَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ، فَيَقُولُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ، مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ، وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ" (مسلم شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دوزخی جو دنیا میں سب سے زیادہ ناز و نعمت میں تھا لایا جائے گا اور اسکو دوزخ میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر پوچھا جائے گا، اے فرزند آدم! کیا کبھی تو نے کوئی نعمت دیکھی، اور کبھی تیرے پاس سے آسائش کا گذر ہوا؟ تو وہ کہے گا نہیں واللہ اے میرے رب۔

اور ایک جنتی کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ پریشان حال تھا اور اس کو ایک غوطہ جنت میں دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا کیا کبھی تو نے پریشان حالی دیکھی، کیا سختی اور مصیبت کا کبھی تیرے پاس سے گذر ہوا؟ تو وہ کہے گا نہیں اے میرے رب! میرے پاس سے کبھی کسی مصیبت کا گذر نہیں ہوا، اور نہ میں نے کبھی کوئی سختی دیکھی۔

حاضرین کرام یہ ہے حال دوزخ کے عذاب کا کہ اس کا صرف ایک غوطہ دنیا کی تمام آسائشوں کو بھلا دے گا، اور اسی طرح جنت کا یہ حال ہے کہ اس میں ایک غوطہ دنیا کی تمام مصیبتوں کو فراموش کر دے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ عَلَى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ الَّذِينَ

يَلُوْنَهُمْ كَاشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَاءِ اِضَاءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَّرَاءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَعَشِيًّا لَا يَسْقَمُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ اٰنِيَتُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَوَقُوْدُ مَجَامِرِهِمُ الْاَلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ عَلٰى خُلُقِ رَجُلٍ وَاحِدٍ عَلٰى صُوْرَةِ اَبِيْهِمْ اٰدَمَ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِي السَّمَاءِ (بخاری ومسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی جماعت جو جنت میں داخل ہوگی وہ چودہویں رات کے چاند کی شکل پر ہوگی، پھر ان کے بعد جو لوگ داخل ہوں گے وہ آسمان کے سب سے زیادہ چمکتے اور جگمگاتے ہوئے ستارے کی طرح روشن ہونگے ان کے دل ایک آدمی کے دل پر ہوں گے یعنی ایک طرح کی آرزو دل کے حامل ہوں گے نہ انکے درمیان کوئی اختلاف ہوگا نہ کینہ ہوگا، ان میں سے ہر ایک کو حور عین میں سے دو بیویاں ملیں گی، ان کے حسن کی وجہ سے انکی پنڈلیوں کا گودا ہڈی اور گوشت کے اوپر سے دکھائی دے گا، وہ صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے، وہ نہ بیمار پڑیں گے نہ پیشاب پاخانہ کریں گے، نہ تھوکیں گے، نہ ناک صاف کریں گے، ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے، اور ان کے کنگھے سونے کے ہوں گے اور انکی انگیٹھیوں کا ایندھن اگر کا ہوگا، اور انکا پسینہ مشک ہوگا وہ سب ایک آدمی کے اخلاق پر ہوں گے، یعنی متحد اور متفق یکجان اور دو قالب ہوں گے، اپنے باپ آدم علیہ السلام کی شکل پر ہونگے

ساٹھ گز کے آسمان کی جانب ۔

عَنْ عَلِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّہٗ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃِ "یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا" جس دن ہم جمع کریں گے متقیوں کو رحمٰن کے پاس وفد کی صورت میں، حضرت علی کرّم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت "یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا" کے بارے میں دریافت کیا، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وفد تو سوار ہو کر آتا ہے، تو متقین، رحمٰن کے پاس وفد کی صورت میں حاضر ہونگے، تو کیا سوار ہو کر آئیں گے ؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، متقی لوگ جب اپنی قبروں سے نکلیں گے تو ان کا استقبال سفید اونٹنیوں سے کیا جائے گا، جن کے بال و پر ہونگے، ان کے اوپر سونے کے کجاوے ہونگے، متقیوں کے جوتوں کے تسمے نور کے ہوں گے جو چمک رہے ہوں گے، ان اونٹنیوں کا ہر قدم حدِّ نظر کے برابر ہو گا اور یہ سفر جنّت کے دروازے پر ختم ہو گا، وہاں سرخ یاقوت کا ایک کڑا سونے کی تختی پر رکھا ہوا ہو گا، اور جنّت کے دروازے پر ایک درخت ہو گا جس کی جڑ سے دو چشمے بہہ رہے ہوں گے، وہ لوگ جب ایک چشمے سے پئیں گے تو نعمت کی تازگی ان کے چہروں پر دوڑ جائے گی، اور جب دوسرے چشمے سے وضو کریں گے، اور ہاتھ منہ دھوئیں گے، تو ان کے بال کبھی پراگندہ نہیں ہوں گے، پھر وہ سونے کی تختی سے یاقوت کے کڑے کو بجائیں گے، کاش علی! تم اس کی آواز سنتے، گھنٹہ بجتے ہی ہر حور کو خبر ہو جائے گی کہ اس کا شوہر آ گیا ہے

وہ عجلت کے ساتھ اپنے خادم کو بھیجیں گی وہ دروازہ کھولے گا متقی کی نورانیت کا یہ عالم ہوگا کہ اگر خادم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے متقی کا تعارف نہ کروا دیا جاتا تو خادم اسکی نورانیت کے آگے سجدے میں گر جاتا وہ کہے گا میں آپ کا خادم اور منتظم کار ہوں مجھے آپ کی خدمت سپرد کی گئی ہے، اب متقی خادم کے پیچھے پیچھے چلے گا، یہاں تک کہ اپنی زوجہ کے پاس آئے گا، زوجہ عجلت کے ساتھ خیمہ سے نکلے گی، اور اس سے بغل گیر ہو جائے گی اور کہے گی " اَنْتَ حِبِّیْ وَاَنَا حِبُّكَ، وَاَنَا الرَّاضِیَۃُ فَلَا اَسْخَطُ اَبَدًا وَاَنَا النَّاعِمَۃُ فَلَا اَبْأَسُ اَبَدًا وَاَنَا الْخَالِدَۃُ فَلَا اَظْعَنُ اَبَدًا " —— تم میرے محبوب ہو، اور میں تمہاری محبوبہ ہوں، میں ہمیشہ خوش رہنے والی ہوں کبھی ناخوش نہیں ہوں گی، میں تر و تازہ ہوں مجھ پر کبھی پریشانی اور افسردگی نہیں طاری ہوگی، میں ہمیشہ رہنے والی ہوں کبھی یہاں سے منتقل نہیں ہوں گی، پھر وہ متقی ایک مکان میں داخل ہوگا جو بنیاد سے لیکر چھت تک ایک لاکھ گز اونچا ہوگا، موتیوں اور یاقوت سے بنایا گیا ہوگا، اس کے بعد چھپر کھٹ کے پاس آئے گا، وہاں ایک تخت ہوگا جس پر ستر فرش ہوں گے، ہر فرش پر ستر بیویاں ہوں گی ہر بیوی کے جسم پر ستر جوڑے ہونگے، انکی پنڈلیوں کا گودا جوڑوں کے اندر سے دکھائی دے گا، ان میں ہر ایک سے ایک مرتبہ ہمبستری کرنے میں ایک شب کا وقت صرف ہوگا، ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جنکا پانی صاف ستھرا ہوگا، گدلا نہیں ہوگا، اور دودھ کی نہریں ہونگی، جنکا ذائقہ متغیر نہیں ہوگا، وہ دودھ جانوروں کے بطن سے نکلا ہوا نہیں ہوگا، اور شہد خالص کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں سے نکلا ہوا نہیں ہوگا،

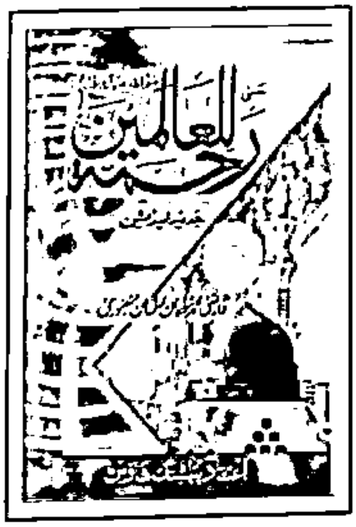
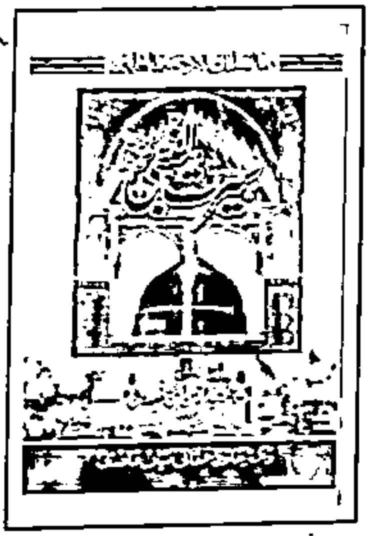
اور شراب کی نہریں ہوں گی جو انسانوں کی نچوڑی ہوئی نہیں ہوں گی۔
جنتیوں کو جب کھانے کی اشتہا ہوگی تو سفید پرندے آئیں گے اور اپنے بازو اٹھا دیں گے، ان کے پہلو سے جس قسم اور جس رنگ کا کھانا چاہیں گے کھائیں گے، پھر وہ پرندے اڑ جائیں گے، وہاں پھل شاخوں میں لٹک رہے ہوں گے، جب پھلوں کی خواہش ہوگی تو شاخ پھل لیکر پاس چلی آئے گی، پھر جونسے پھلوں سے جتنا چاہیں گے کھائیں گے، اور جس حالت میں چاہیں گے کھائیں گے، کھڑے بیٹھے لیٹے۔

ارشادِ ربانی "وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ" اور دونوں باغوں کے پھل قریب ہوں گے" کے معنی یہی ہیں، اور ان کے سامنے خدام کھڑے ہونگے، جو موتی کی طرح ہونگے (ابن ابی الدنیا مرفوعًا والبیهقی موقوفًا)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ooo








Ateqad Publishing House Pvt.ltd.

Office : 3095, Sir Syed Ahmad Road, Darya Ganj, New Delhi-2

Ph.: 91-11-23276879, 42784863

Website: www.ateqad.com E-mail : info@ateqad.com